واذکروا نعمۃ اللہ علیکم ومیثاقہ الذی واثقکم بہ

تنظیم اسلامی کا ترجمان

اور

دعوتِ تجدید عہدِ الست و میثاقِ ایمان کا علمبردار

ماہنامہ

میثاق

لاہور

اگست ۱۹۷۷ء

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

شائع کردہ

مرکزی مکتبہ تنظیم اسلامی

وَقَدۡ اَخَذَ مِيثَاقَكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُؤۡمِنِيۡنَ

ماہنامہ میثاق لاہور

جلد ۲۶	ماہ اگست ۱۹۷۷ء	شمارہ ۲

مشمولات

● تذکرہ و تبصرہ	جمیل الرحمٰن	صفحہ ۱
● شرک اور اقسام شرک	ڈاکٹر اسرار احمد	" ۵
● دعوت الی اللہ	مولانا وصی مظہر ندوی	" ۱۸
● تاریخ ساز مدبر	مولانا امین احسن اصلاحی	" ۲۴
● حافظ ابن کثیر دمشقی رح	محترمہ جمیلہ شوکت	" ۳۱
● مطالعہ قرآن (تشری تقریر)	ڈاکٹر اسرار احمد	" ۴۲
● ابوالکلامیات	ڈاکٹر شیر بہادر خاں پنی	" ۴۵
● خطوط و آراء	مختلف اصحاب	" ۴۸
● اسلام میں اجتماعیت	مولانا سید محمودالحسن	" ۵۰
● حاصل مطالعہ (الفرقان کا وفیات نمبر)	ج ۔ ر	" ۵۳
● تحفۃ الاعراب (ضمیمہ)	امام حمیدالدین فراہی رح	" ——

★

مرتب : (شیخ) جمیل الرحمٰن

مقام اشاعت : ۳۶ ۔ کے ، ماڈل ٹاؤن ، لاہور فون : (۸۵۲۶۱۱)

ڈاکٹر اسرار احمد (ناشر) نے بااہتمام چوہدری رشید احمد (طابع) مکتبہ جدید پریس
شارع فاطمہ جناح سے چھپوا کر مرکزی مکتبہ تنظیم اسلامی ،
۳۶ ۔ کے ماڈل ٹاؤن ۔ لاہور سے شائع کیا ۔

جمیل الرحمن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ٥

تذکرہ و تبصرہ

مارچ ۷۷ء سے جون ۷۷ء تک ملتِ اسلامیہ پاکستان شدید ابتلاء و آزمائش سے دوچار رہی ہے۔ مئی تک تین مواقع تو ایسے آئے کہ آپس کی مسلح جنگ کے خطرے کے مہیب بادل سروں پر منڈلاتے رہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص شانِ رحیمی کے طفیل یہ خطرات ٹال دیئے۔ چوتھی مرتبہ یہ خطرہ مزید ہولناکی کے ساتھ اس وقت پیدا ہوا تھا جس وقت سابق وزیر اعظم مسٹر بھٹو اور متحدہ قومی محاذ کے درمیان مذاکرات کے دور کا آغاز ہوا تھا۔ یہ دور انتہائی گومگو، تشویش اور SUSPENCE میں گزرا ہے اور یہ بات نوشتۂ دیوار کی طرح صاف نظر آ رہی تھی کہ اگر یہ مذاکرات ناکام ہوئے تو ملک ایک شدید خانہ جنگی میں مبتلا ہو سکتا ہے۔ ۲ رجولائی کو اخبارات کے ذریعے اس اطلاع پر پورے ملک میں اطمینان کا سانس لیا گیا کہ تصفیہ کے امکانات روشن ہو گئے ہیں۔ لیکن ۴ رجولائی کی صبح کے اخبارات کی خبریں اس بات کی غمازی کر رہی تھیں کہ تصفیہ کی بظاہر کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ چنانچہ شدید انتشار بلکہ خانہ جنگی کے مہیب بادل پھر ایک بار ہمارے سروں پر منڈلانے لگے تھے اور روشنی کی ہر کرن معدوم نظر آنے لگی۔

اس موقع پر بھی اللہ تعالیٰ کی شانِ رحمانیت و رحیمیت نے ہماری دستگیری فرمائی اور مولا کریم نے ایسے حالات پیدا فرمائے کہ بھٹو صاحب کی حکومت ہی ختم ہو گئی اور چوتھی بار شدید انتشار اور خانہ جنگی کے خطرے کو اللہ تعالیٰ نے اس مرتبہ اس طرح دُور فرمایا کہ ملک میں جو مسموم فضا قائم تھی وہ یک لخت کافور ہو گئی اور امن و امان کے سورج کی تابانیاں نظر آنے لگیں۔ ساتھ ہی ساتھ ملک کے نظم و نسق میں چند خوشگوار تبدیلیوں کا بھی آغاز ہو گیا اور ایسے اقدامات بھی یکے بعد دیگرے عمل میں آئے جنھوں نے لاقانونیت، معصیت، فسق و فجور اور فحاشی و عریانی کے سیلاب کے آگے فی الوقت ایک بند کا کام انجام دیا ہے۔ اور ہمارے معاشرے میں دینی و اخلاقی لحاظ سے انحطاط کا جو عمل سیلاب کی سی تیز رفتاری سے رواں دواں تھا وہ فی الحال عارضی طور پر رک گیا ہے۔ یہ واقعات و حالات اس بات پر شاہد ہیں کہ مولا کریم نے ہمیں پھر ایک بار اپنی حالت

کو بدلنے اور اپنی اصلاح کرنے کا موقع عنایت فرمایا ہے۔ اگر اب بھی ہم نے کفرانِ نعمت کیا تو پھر اللہ تعالیٰ کی یہ سُنّت ہمارے حق میں پوری ہو کر رہے گی کہ :

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ (رعد: ۱۱) — اللہ کسی قوم کے ساتھ اپنا معاملہ اُس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی روش میں تبدیلی نہ کر لے۔

اسی آیت کے ترجمے کو ہمارے ایک شاعر نے شعر کے لباس میں یوں ڈھالا ہے : ؎

خدا نے آج تک اُس قوم کی حالت نہیں بدلی ؛ نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

مزید براں اگر اب بھی بحیثیت ملت ہم نے رجوع اِلَی اللہ اور توبہ و انابت کا رویہ اختیار نہیں کیا اور ہمارے شب و روز میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی اور اصلاح کا عمل انفرادی دائرے سے اجتماعی دائرے کی طرف نہ بڑھا تو ہو سکتا ہے کہ ہماری شامتِ اعمال اللہ تعالیٰ کی اس وعید کی سزاوار ہو جائے کہ :

وَاِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَکُمْ ثُمَّ لَا یَکُوْنُوْٓا اَمْثَالَکُمْ (محمد: ۳۸) — اگر تم منہ موڑو گے تو اللہ تعالیٰ تمھاری جگہ کسی اور قوم کو لے آئے گا۔ اور وہ تم جیسے نہ ہوں گے۔

برّصغیر پاک و ہند کی تیس سالہ تاریخ کے دَور میں بار بار اللہ تعالیٰ کا ہم پر خصوصی فضل و کرم ہوا ہے۔ اُس کا پہلا احسان یہ ہے کہ انگریز اور ہندو جیسی اسلام دشمن طاقتوں کے گٹھ جوڑ کے علی الرّغم "پاکستان" کا قیام عمل میں آیا جو پوری انسانی تاریخ میں ایک عجوبہ کی حیثیت اور ایک معجزہ کی خصوصیت کا حامل ہے — پھر قیامِ پاکستان کے فوراً بعد ہندوستان کی حکومت نے پے در پے ایسے اقدامات کئے کہ یہ نوزائیدہ اور خداداد مملکت قائم نہ رہ سکے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے دشمنوں کے ایسے تمام منصوبے خاک میں ملا دیئے — ۶۲ء میں پاکستان کے صدر ایوب صاحب کی طرف سے پنڈت جواہر لال جی کو مشترکہ دفاع (JOINT DEFENCE) کے معاہدے کی پیش کش کی گئی جو ایک طرح پاکستان کی خود مختاری کے لیے خودکشی کے مترادف تھی۔ لیکن پنڈت جی ہی کی مت ماری گئی کہ وہ اس سنہری موقع سے فائدہ نہ اٹھا سکے — پھر رن کچھ کے معرکہ میں پاکستان کو اللہ تعالیٰ نے ہندوستان کو جو پاکستان سے کم از کم دس گنا زیادہ مضبوط و طاقتور ہے ذلت آمیز شکست سے دوچار فرمایا۔ پھر ستمبر ۶۵ء میں بھارتی سورماؤں نے اچانک پاکستان کی سرحدوں خصوصاً واہگہ کی سرحد سے پاکستان پر شدید حملہ کیا اور ان کے عزائم یہ تھے کہ پہلے ہی روز وہ

پاکستان کے دل لاہور پر قابض ہو جائیں گے لیکن اس معرکہ میں بھی ان کو منہ کی کھانی پڑی۔

چاہیئے تو یہ تھا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ان انعامات و احسانات پر بحیثیت قوم اللہ کے شکر گزار بندے بنتے لیکن جب ہم نے اس کے برعکس رویّہ اختیار کیا اور رجوع اِلَی اللہ کے بجائے ہمارے روز و شب اور ہمارے مشاغل و اعمال سرکشی و نافرمانی کی طرف بڑھتے چلے گئے اور ہم نے حدود اللہ کے قیام و نفاذ کے بجائے ان کو مزید توڑنا شروع کیا تو اللہ تعالیٰ کا غضب مشرقی پاکستان میں خانہ جنگی کی صورت میں نمودار ہوا اور بھائیوں کے ہاتھوں بھائیوں کی جان و مال اور عزت و آبرو کی وہ پامالی ہوئی کہ ۷۱ء کے فسادات کی ہولناکیوں اور وحشت و بربریت کے واقعات جو غیر مسلموں کے ہاتھوں ظہور پذیر ہوئے تھے ماند پڑ گئے۔ اور ہمیں سقوطِ ڈھاکہ اور مشرقی بازو کے ٹوٹ جانے کے المیہ سے دوچار ہونا پڑا۔ نیز ملت کے ماتھے پر شکست کا ایسا داغ لگا جس کی مثال تاریخ میں شاید ڈھونڈنے سے بھی نہ ملے۔ اس شکست نے ہمارے حوصلے پست کر دیئے تھے اور پوری ملت مایوسی کے گھٹا ٹوپ اندھیاروں سے دوچار تھی۔ مغربی پاکستان پر بھی بھارت کی تاخت جاری تھی اور ہمارے دفاعی انتظامات دم توڑنے والے تھے لیکن اللہ تعالیٰ کی شانِ رحیمی و رحمانی نے پھر ہماری دستگیری فرمائی اور ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ اندرا گاندھی صاحبہ نے یک طرفہ جنگ بندی کا اعلان کر دیا۔

۷۱ء کے حالیہ واقعات (آلیس کے اختلافات، انتشار اور خانہ جنگی کے خطرات) بھی دراصل ہمارے لئے تنبیہات کے کوڑے تھے۔ اس دور میں بھی جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے چار دفعہ اللہ تعالیٰ کے خصوصی فضل و کرم نے ہمیں اپنے اس عتاب سے بچا لیا جس کی وعید سورۃ الانعام کی آیت ۶۵ میں دی گئی ہے:

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ	کہو وہ اللہ قادر ہے اس پر کہ تم پر کوئی عذاب
عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ	مسلط کر دے، خواہ تمہارے اوپر سے خواہ
مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ	تمہارے قدموں کے نیچے سے یا تمہیں متحارب
شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ	گروہوں میں تقسیم کر دے۔ اور پھر تم میں سے
بَعْضٍ ط	کچھ کو دوسروں کی قوتِ حرب کا مزہ چکھائے

اب اللہ تعالیٰ کے اس خصوصی فضل و احسان کے شکر کا اظہار ہم اس طرح کر سکتے ہیں کہ اجتماعی بندگی کی مساعی کے پہلو بہ پہلو اللہ کے بندوں کی ایک جماعت: یٰٓاَیُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا

اِلَی اللّٰہِ تَوْبَۃً نَّصُوْحًا ط (التحریم) "اے اہل ایمان! توبہ کرو اللہ کی جناب میں کامل خلوص و اخلاص کے ساتھ" کی دعوت لے کر کھڑی ہو جو معاشرے میں توبہ و انابت کی منادی کا فرض انجام دے ـــ اس وقت دین کا درد رکھنے والے ہر باشعور اور حساس مسلمان کا فرضِ اوّلین یہ ہے کہ وہ ایک طرف اپنی انفرادی زندگی کو اللہ اور اُس کے رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کے احکام کی پابندی کا خوگر بنائے۔ اپنے نفس سے کشمکش کرے اور اُس کو اللہ اور رسول کی معصیت سے بچانے کی کوشش کرے۔ اُس کو اللہ کا مطیع بنائے، اور دوسری طرف تواصی بالحق کا علمبردار بنے، لوگوں کو دعوت دے کہ: یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً اور یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰہِ تَوْبَۃً نَّصُوْحًا ط .... یہ کام ہر باشعور مسلمان پر واجب ہے اور ہمارے علماءِ کرام پر تو اس کی خاص ذمّہ داری ہے۔ چونکہ جن کے رتبے سوا ہوتے ہیں، ان کی ذمّہ داریاں بھی دوسروں کے مقابلے میں سوا ہوتی ہیں۔

اللہ کی رحمت تو اپنے بندوں کو اپنے دامن میں لینے کے لیے ہر وقت تیار رہتی ہے:۔ عَسٰی رَبُّکُمْ اَنْ یَّرْحَمَکُمْ۔ یہ ہمارا کام ہے کہ ہم خود کو اُس کی رحمت کا حقدار اور سزاوار بنائیں، اور اس کی واحد صورت ہمارے نزدیک اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ ہم ملّتِ اسلامیہ کے فرد اور مسلمان ہونے کی حیثیت سے تجدید ایمان، توبہ و انابت اور تجدید عہد وفاداری کے ذریعہ اپنا معاملہ اپنے خالق و مالک، آقا و مولا اور پروردگار سے درست کرلیں اور اس پر قائم و دائم رہنے کا عزم بھی رکھیں تو ان شاء العزیز یہ منظر چشم فلک دیکھے گی جو جگر مراد آبادی نے اس طرح ادا کیا ہے ؎

چمن کے مالی اگر بنالیں موافق اپنا شعار اب بھی
چمن میں آسکتی ہے پلٹ کر چمن سے روٹھی بہار اب بھی

اگر ہم نے اپنی غفلت کی وجہ سے اس مہلت کو بھی ضائع کر دیا اور ہم نے اس مہلت کو اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل و کرم اور امتحان کے بجائے محض اپنی کسی تحریک یا سیاسی کامیابی کا نتیجہ ہی سمجھا تو ہمارا یہ نظریہ سراسر کفرانِ نعمت کے مترادف ہوگا اور کفرانِ نعمت کرنے والوں کو سورۂ بنی اسرائیل میں یہ وعید سُنادی گئی ہے کہ: وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا (اور اگر تم نے وہی کیا جو پہلے کر رہے تھے تو ہم بھی وہی کریں گے جو ہم نے کیا) ـــ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ملّتِ اسلامیہ پاکستان کے ہر فرد کو اپنی ذمّہ داری کا شعور اور اس کو ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہم سب کو اپنے اس ارشادِ مبارکہ کا مصداق بنائے کہ: لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ (ابراہیم: ۷) "اگر تم شکر گزار رہے تو میں تمہیں اور زیادہ نوازوں گا"۔

ڈاکٹر اسرار احمد

دوسری قسط

شرک اور اقسامِ شرک

شرک فی الذّات

جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں کہ خدا کی ذات میں کسی کو ساجھی بنا لینا، اُس کا ہم جنس قرار دے لینا، ہم نوع بنا دینا، ہم کفو اور نِدّ و ضد اور مقابل قرار دے دینا، یہ سب سے زیادہ گھناؤنا اور عُریاں ترین شرک ہے ـــــ دنیا میں اِس شرک فی الذّات کی دو شکلیں رائج رہی ہیں۔ اِن میں سے جو بدترین شکل اور سب سے گھناؤنی صورت ہے، اُس کو تاریخ کی بوالعجبی کہیے یا انسان کی انتہائی بدقسمتی کہ یہ شکل اُن قوموں نے اختیار کی جن کی نسبت انبیائے کرامؑ کی طرف ہے یعنی کسی کو خدا کا بیٹا یا بیٹی قرار دے لینا۔ کسی کو خدا کا بیٹا یا بیٹی قرار دینے کے معنی ہیں کہ وہ خُدا کا ہم جنس اور ہم کفو ہو گیا، ہم کفو اور ہم جنس ہوا تو گویا وہ خدا کی ذات میں اُس کا ساجھی اور شریک ہو گیا۔ پنجابی زبان میں جو لفظِ شریکا آتا ہے تو یہ لفظ اِس مفہوم کو بالکل صحیح ادا کرتا ہے کہ قریبی رشتہ داری کی بنیاد پر ہی شریکا ہوتا ہے۔ اور پھر ہر شریک یہ استحقاق رکھتا ہے کہ وہ اپنے قرابت دار کے بالکل برابر ہو ـ گاؤں میں کچھ لوگ تو وہ ہوتے ہیں جو چودھریوں سے کوئی قرابت اور خون کا تعلّق نہ ہونے کی وجہ سے اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ ہم اِن چودھریوں سے کم تر ہیں۔ لیکن جو کسی چودھری کا چچازاد بھائی یا اسی قبیل کا کوئی قرابت دار ہوگا تو وہ اُسی نسبت سے چودھری سے اپنے رشتہ داری کے تعلّق کا دعویٰ دار ہوگا اور اس کو اپنا اور خود کو اُس کا شریک، اُس کا ہمسر اور ہم پلّہ سمجھے گا اور یہ سمجھنا غلط بھی نہیں ہوگا، وہ ہر اعتبار سے اُس کا نِد اور ضد ہی ہے۔ لہٰذا یہ شریکے کا لفظ عوامی سطح پر شرک فی الذّات کو سمجھنے کے لیے قریب ترین مفہوم ادا کرتا ہے۔

شرک فی الذّات میں مُبتلا اقوام اللہ تعالیٰ کے بیٹا، بیٹی کا یہ تصوّر، جیسا کہ میں نے عرض کیا، بدقسمتی سے اِن اقوام و امم اور ملل میں پیدا ہوا جو خود کو کسی جلیل القدر نبی و رسول سے منسوب کرتی ہیں۔ **یہود** :- یہود نے حضرت عُزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا قرار دیا :- وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ نِ ابْنُ اللّٰهِ ط : "اور یہود نے کہا کہ عُزیرؑ اللہ کے بیٹے ہیں"۔ ویسے

مذہب یہود کی تاریخ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام یہودیوں کا یہ عقیدہ نہیں رہا۔ البتہ اُن میں کچھ فرقے ایسے رہے ہیں جو اس عقیدے میں راسخ تھے۔ **نصاریٰ** :- اس معاملہ میں بدترین خرابی نصاریٰ میں پیدا ہوئی اور اس ضلالت و گمراہی نے اپنی انتہا تک نصاریٰ میں نفوذ کیا ــــ وہ شخص جسے سینٹ پال کہا جاتا ہے لیکن جسے درحقیقت شیطان پال کہنا چاہیئے یہودی تھا اور اُس نے بڑی عیاری و مکاری کے ساتھ نصرانیت قبول کی تھی۔ اس کے ہاتھوں دینِ عیسوی مسخ ہوا اور اس میں وہ مکروہ عقاید داخل کیے گئے جنھوں نے اِس عُریاں ترین شرک کی صورت اختیار کی کہ حضرت مسیح علیہ السّلام کو صرف خدا کا بیٹا نہیں بلکہ خدا کا صُلبی بیٹا قرار دے دیا گیا : وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللّٰهِ ط ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ج يُضَاهِـُٔونَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ط قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ٥ "یہ اُن کے منہ کی بناوٹی باتیں ہیں، اگلے کافروں کی سی باتیں بنانے۔ اللہ اُن کو غارت کرے، کہاں (اور کیسے) بہک گئے (اور گمراہ ہوگئے) ہیں" ــــ اِس آیت میں تو حضرت مسیح علیہ السّلام کو ابنُ اللہ قرار دینے پر گرفت کی گئی ہے۔ اِس مضمون سے متعلق قرآنِ کریم میں چند دوسری آیات بھی ہیں لیکن خاص طور پر حضرت مسیح علیہ السّلام کو اللہ تعالیٰ کا صُلبی بیٹا قرار دینے پر تو متعدد آیات میں اللہ تعالیٰ کے غضب کا اظہار ہوا ہے۔ چنانچہ سورۂ مریم میں اِس غیظ و غضب کا اظہار پُورے عُروج پر ہے۔ اِس سے زیادہ غصّے کا اظہار کہیں اور نظر نہیں آتا۔ فرمایا :-

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ٥ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْـًٔا اِدًّا ٥ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ٥ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ٥ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ٥ اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ٥ (آیات ۸۸ تا ۹۳)

اور کہتے ہیں کہ خدائے رحمٰن نے اولاد بنا رکھی ہے۔ یہ تم نے ایسی سنگین بات کہی ہے کہ قریب ہے کہ اس سے آسمان پھٹ پڑیں، زمین شق ہو جائے اور پہاڑ دھماکے کے ساتھ گر پڑیں کہ انہوں نے خدا کی طرف اولاد کی نسبت کی اور یہ بات خدا کے شایاں نہیں ہے کہ وہ اولاد بنائے۔ آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہیں سب خدائے رحمٰن کے حضور بندے ہی کی حیثیت سے حاضر ہوں گے۔

سورۂ بنی اسرائیل کی آخری آیت میں اِس باطل عقیدے کی تردید اِن الفاظ میں فرمائی گئی ہے :-

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِیْرًا ۝ (آیت ۱۱۱)

اور کہو کہ شکر کا سزاوار ہے وہ اللہ جس کے نہ کوئی اولاد ہے اور نہ اُس کی بادشاہی میں اُس کا کوئی ساجھی ہے اور نہ اُس کو ذلت سے بچانے کے لیے کسی مددگار کی حاجت ہے اور اُس کی بڑائی بیان کرو جیسا کہ اُس کا حق ہے !!

سُورۂ کہف میں نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی بعثت کے مقاصد میں سے ایک مقصد عیسائیوں کے اس باطل عقیدے پر کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو اپنا بیٹا بنایا ہے، اُن کو آگاہ و خبردار کرنا بھی بیان کیا گیا ہے۔ اِس اسلوب میں بھی اللہ تعالیٰ کی ناراضگی، اُس کی بیزاری اور اُس کا غیظ و غضب چھلکا پڑ رہا ہے، چنانچہ فرمایا :-

وَیُنْذِرَ الَّذِیْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۝ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ اِنْ یَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ۝ (آیت ۴ - ۵)

اور اُن لوگوں کو جو کہتے ہیں کہ خدا نے اولاد بنائی ہوئی ہے، آگاہ کردے۔ اُن کو اِس بات میں کوئی علم نہیں، نہ اُن کو نہ اُن کے آباء و اجداد کو۔ نہایت ہی سنگین بات ہے جو اُن کے مونہوں سے نکل رہی ہے۔ یہ محض جھوٹ ہے جو وہ بک رہے ہیں۔

قرآن مجید میں حضرت مسیح علیہ السّلام کو خدا کا بیٹا قرار دینے کے باطل عقیدے کی مختلف مقامات پر مختلف اسالیب سے تردید کی گئی ہے۔ چنانچہ سُورۂ یُونس میں فرمایا :-

قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ هُوَ الْغَنِیُّ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ بِهٰذَا اَتَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (آیت : ۶۸)

یہ کہتے ہیں کہ خدا کے اولاد ہے۔ وہ ایسی باتوں سے پاک ہے، وہ بے نیاز ہے۔ جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اُسی کا ہے۔ تمھارے پاس اِس بات کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ کیا تم اللہ پر وہ بات لگاتے ہو، جس کا تم علم نہیں رکھتے۔

سورۂ مریم کی ایک آیت اور سُن لیجیے ! فرمایا :-

مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ یَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ سُبْحٰنَهٗ اِذَا قَضٰۤی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ۝ (آیت : ۳۵)

خدا کے شایاں نہیں کہ وہ کوئی اولاد بنائے۔ وہ پاک ہے۔ جب وہ کسی امر کا فیصلہ کر لیتا ہے، تو بس اُس کو فرماتا ہے کہ ہو جا، تو وہ ہو جاتا ہے۔

حضرت عیسیٰؑ اور حضرت یحییٰؑ کی معجزانہ پیدائش عیسائی حضرت مسیح علیہ السّلام کی صرف خرقِ عادت اور معجزانہ پیدائش کی وجہ سے اُن کو خدا کا بیٹا قرار دے بیٹھے۔ حالانکہ حضرت یحییٰ علیہ السّلام کی پیدائش بھی ایک معجزے اور خرقِ عادت سے کم نہیں۔ چونکہ اُن کے والد حضرت زکریا علیہ السّلام، اُن کی پیدائش کے وقت انتہائی بوڑھے ہو چکے تھے اور اُن کی والدہ نہ صرف بوڑھی تھیں بلکہ ساری عمر بانجھ رہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی دو سورتوں، سورۂ آلِ عمران اور سورۂ مریم میں حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی معجزانہ پیدائش کے ذکر سے قبل حضرت یحییٰ علیہ السّلام کی ولادت کا ذکر فرما کر اس نکتے کو واضح فرمایا ہے۔

ابن اور ولد کا فرق آگے گفتگو سے قبل میں چاہتا ہوں کہ لفظِ ابن اور لفظِ ولد کے فرق کو واضح کر دوں۔ عربی زبان میں ابن کا لفظ کسی دوسری نسبت کو ظاہر کرنے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جیسے ابن السّبیل، لفظی معنی ہوں گے "راستے کا بیٹا" حالانکہ سب جانتے ہیں کہ اس سے مراد مسافر لیا جاتا ہے۔ چونکہ مسافر کو راستے سے ایک گہری اور قریبی نسبت ہوتی ہے۔ اسی طرح یہودی جب اپنے آپ کو کہتے تھے: نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ تو اس کے یہ معنی نہیں تھے کہ وہ خود کو خدا کے بیٹے قرار دیتے تھے بلکہ اُن کا مفہوم و مقصود یہ ہوتا تھا کہ ہم خدا کے ساتھ ایک قرب کی نسبت رکھتے ہیں۔ ہمارا خدا سے گہرا تعلق ہے ہم اس کو ایسے محبوب و عزیز ہیں جیسے باپ کو اُس کے بیٹے عزیز و محبوب ہوتے ہیں۔ اناجیل میں اگرچہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے لیے ابن کا لفظ استعمال ہوا ہے لیکن اوّل تو یہ تمام موجودہ اناجیل محرّف ہیں۔ دوسری بات قابلِ غور یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ یہ لفظ ایک خصوصی نسبت کے لیے استعمال ہوا ہو۔ چونکہ پوری نوعِ انسانی کے لیے بھی ان ہی اناجیل میں ابن اللہ استعمال ہوا ہے، کیا عیسائی اس سے یہ مراد لے سکیں گے کہ ساری نسلِ انسانی اللہ کی اولاد ہے۔ البتہ لفظِ ولد صلبی بیٹے کے لیے ہی بولا جاتا ہے اور ولد کے معنی ہوں گے "جنا ہوا"۔ چنانچہ عیسائی اس معنی میں حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کو خدا کا صُلبی بیٹا قرار دیتے تھے اور دیتے ہیں: قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سے مراد اُن کا یہی باطل عقیدہ ہے۔ انسان کی پوری تاریخ میں عیسائی وہ اُمّت ہے جس نے شرک فی الذّات کی یہ گھناؤنی اور عُریاں ترین ضلالت اختیار کی ہے:

اللہ تعالیٰ کا غیظ و غضب جیسا کہ میں عرض کر چکا کہ اس عقیدے پر اللہ تعالیٰ کا جس قدر غیظ و غضب بھڑکا ہے پورے قرآن مجید میں ایسا غصّہ اور کہیں نظر نہیں آتا۔ سورۂ مریم کی آیات ۸۸ تا ۹۳ پھر ذہن میں تازہ کیجیے جہاں یہ غصّہ پورے عُروج پر ظاہر ہوا ہے اور یہ اس لیے کہ شرک

کی یہ بدترین اور عریاں ترین صورت ہے :

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ۝ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا ۝ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۝ أَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ۝ وَمَا يَنْبَغِي لِلرَّحْمٰنِ أَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا ۝ إِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا آتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ۝

اور کہتے ہیں کہ خدائے رحمٰن نے اولاد بنا رکھی ہے۔ یہ تم نے ایسی سنگین بات کہی ہے کہ قریب ہے کہ اُس سے آسمان پھٹ پڑیں، زمین شق ہو جائے اور پہاڑ دھماکے کے ساتھ گر پڑیں کہ انہوں نے خدا کی طرف اولاد کی نسبت کی۔ اور یہ بات خدا کے شایاں نہیں ہے کہ وہ اولاد بنائے۔ آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہیں سب خدائے رحمٰن کے حضور بندے ہی کی حیثیت سے حاضر ہوں گے۔

سُورۂ اخلاص کا مقام

آپ کو معلوم ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سُورۂ اخلاص کو ثلثِ قرآن قرار دیا ہے۔ اِس سُورہ کا یہ مقام اس وجہ سے ہے کہ اِس میں توحید کا اثبات اور شرک کا ابطال خاص اس پہلو سے بھی ہے کہ اللہ کا کوئی ولد اور ہم کفو ہو یا وہ کسی کا ولد ہو :-

قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ ۝ اللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ ۝ وَلَمْ يُولَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ ۝

(اے نبیؐ) کہہ دیجئے کہ وہ اللہ بے ہمہ اور یکتا ہے۔ اللہ بے ہمہ ہے۔ نہ وہ باپ ہے، نہ وہ بیٹا، نہ کوئی اُس کی برابری کا ہے۔

ولد اور والد کا تعلق لامحالہ ایک دوسرے کو ایک دوسرے کا کفو، ہمسر اور ہم پلّہ بنا دیتا ہے۔ اور فنا و بقا کے سلسلے کی کڑی ہے۔ اولاد خاص کر بیٹا ایک شخص کی اپنی شخصیت کے تسلسل کا سبب ہوتا ہے انسان کو بیٹی کے مقابلے میں بیٹے اِس لیے پسند ہیں کہ وہ جانتا ہے کہ مجھے تو فنا ہے لیکن میری نسل چلے میرا تشخص اور نام باقی رہے۔ اب اگر خدا کا کوئی بیٹا مان لیا جائے تو گویا نعوذ باللہ انسان نے اُس کو بھی اپنے اوپر قیاس کر کے نہ صرف صاحبِ احتیاج مان لیا بلکہ منطقی طور پر اس کی فنا بھی مان لی۔ اِس سے وہ اٹل اُصول اور وہ ارفع و اعلیٰ شان بالکل مجروح ہو گئی جو اللہ تعالیٰ کے "اَلْحَیُّ الْقَیُّوْم" اور هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ کے اسمائے حسنیٰ میں بیان ہوئی — اور جس کو سورۂ رحمٰن میں اِس طرح ظاہر فرمایا گیا : كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَام ۝ — "ہر چیز جو زمین پر ہے فنا ہو جانے والی ہے اور صرف تیرے رب کی جلیل و کریم ذات ہی باقی رہنے والی ہے"۔ پس اللہ تبارک و تعالیٰ عزّ و جلّ پاک ہے، مُنزّہ ہے اِس سے کہ اُس کا کوئی

بیٹا ہو: وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ط

بنی اسمٰعیلؑ آپ کو معلوم ہے کہ قریش تمام کے تمام حضرت اسمٰعیلؑ جیسے جلیل القدر نبی کی اولاد تھے۔ بلکہ اکثر عرب آنجنابؑ ہی سے نسلی تعلق رکھتے تھے۔ اِن میں یہ شرک فی الذّات دوسری شکل میں آیا۔ اُنہوں نے فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں بنا ڈالا۔ اُن کے اِس عقیدے پر قرآن مجید میں کچھ استہزا کا انداز و اُسلوب بھی ہے جیسے "اُن کی بات دیکھو کہ اُنہوں نے خُدا کے لیے بیٹیاں الاٹ کیں اور اپنے لیے بیٹے۔ اپنے لیے تو اُن کو بیٹے پسند ہیں۔ اُن کے ہاں بیٹی پیدا ہو تو اُن کا مُنہ لٹک جاتا ہے"۔ ——— سُورۃ النحل، سُورۂ بنی اسرائیل اور سُورۃ النجم میں اُن کی، اِس احمقانہ عقیدے پر بڑے لطیف طنزیہ انداز میں گرفت کی گئی ہے۔ سُورۃ النحل میں فرمایا:-

وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ۝ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ۝ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ ط اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝ (آیات ۵۷ تا ۵۹)

اور وہ اللہ کے لیے بیٹیاں ٹھہراتے ہیں، وہ اِن چیزوں سے پاک ہے، اور اُن کے لیے ہے جو وہ چاہیں۔ اور جب اُن میں سے کسی کو بیٹی کی خوشخبری سُنائی جاتی ہے تو اُس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ گھُٹا گھُٹا رہتا ہے۔ وہ اِس منحوس خبر پر لوگوں سے چھُپا چھُپا پھرتا ہے۔ سوچتا ہے کہ اُس کو ذلت کے ساتھ رکھے یا اُس کو مٹی میں دفن کر دے۔ افسوس کیا ہی بُرا فیصلہ ہے جو یہ کرتے ہیں۔

سُورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا:-

اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا ط اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا ۝ (آیت ۴۰)

کیا تمھارے رب نے تمھارے لیے تو بیٹے مخصوص کیے اور اپنے لیے فرشتوں میں سے بیٹیاں بنا لیں۔ یہ تو تم بڑی سنگین بات کہتے ہو۔

سورۂ والنجم میں فرمایا:-

اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ۝ اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ۝ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ۝

اب ذرا بتاؤ، تم نے کبھی اِس لات اور اِس عُزّٰی اور تیسری ایک اور دیوی منات کی حقیقت پر کچھ غور بھی کیا؟ کیا بیٹے تمھارے لیے ہیں اور بیٹیاں خدا کے لیے؟ یہ تو بڑی

(آیات ۱۹ تا ۲۲) دھاندلی کی تقسیم ہوئی۔

اِس گفتگو کا خلاصہ یہ نکلا کہ شرک فی الذّات کی یہ وہ صورتیں ہیں جو ان قوموں اور اُمّتوں میں پیدا ہوئیں جن کی نسبت جلیل القدر انبیاء و رُسل سے ہے۔

شرک فی الذّات فلسفیانہ مذاہب میں

شرک فی الذّات کی ایک دوسری صورت وہ ہے جو اُن اقوام و ملل میں پیدا ہوئی جن کے مذاہب کو فلسفیانہ مذاہب کہا جا سکتا ہے۔ اِن مذاہب کی بنیاد وحی پر نہیں ہے یہ تو قرآن مجید کی تصدیق کے مطابق اللہ تعالیٰ کی کتابیں تورات اور انجیل یہود اور نصاریٰ کو بذریعہ وحی و نبوّت و رسالت دی گئی تھیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ اِن اُمّتوں نے تحریفات سے اِن کتابوں کا حُلیہ ہی بدل ڈالا۔ پھر وہ زبانیں بھی معدوم ہو گئیں جن میں یہ نازل ہوئی تھیں۔ دُنیا میں اِس وقت تورات و انجیل کے نام سے جو کُتُبِ سماوی پائی جاتی ہیں وہ دراصل ترجمے در ترجمے ہیں ــــ ان دو الہامی مذاہب کے علاوہ دُنیا میں چند مذاہب ایسے ہیں جو فلسفیانہ مذاہب کہلاتے ہیں، مثلاً ہندومت۔ اِن فلسفیانہ مذاہب میں شرک فی الذّات نے دو شکلوں میں ظہور کیا۔ ایک حلول کا عقیدہ ــــ دوسرا اَوتار کا عقیدہ ــــ!

عقیدۂ حلول

اِس عقیدۂ حلول کی اساس یہ نظریہ ہے کہ اُن کے نزدیک خدا اِس کائنات میں حل ہو گیا۔ اُنہوں نے خالق اور مخلوق کے درمیان کوئی فصل ہی نہیں رکھا۔ انہوں نے یہ تصوّرات و نظریات قائم کیے کہ برف بذاتِ خود پانی ہے جب پگھلتا ہے تو پانی ہی بنتا ہے ــــ پانی کو اُبال لیجیے وہ بھاپ بن کر اُڑ جائے گا لیکن بذاتِ خود بھاپ کوئی شے نہیں، وہ پانی ہی کی ایک شکل ہے۔ اِسی طرح خدا جو حقیقتِ مطلقہ ہے، اُس نے اِس کائنات کا رُوپ دھار لیا ہے، لہٰذا یہ جملہ مخلوقات و موجودات جو نظر آ رہی ہے دراصل وہی خدا اور حقیقتِ مطلقہ ہے۔ خدا ان کے علاوہ کہیں اور نہیں ہے۔ شکر کو پانی میں گھولیے وہ اس میں حل ہو جائے گی، اُس کا اپنا وجود کہیں نظر نہیں آئے گا اسی طرح اُن کے عقیدے کے مطابق خدا اِس کائنات میں حل ہو گیا ہے۔ اُس کا کوئی مستقل وجود کہیں نہیں ہے۔ اِسی عقیدے کو انگریزی میں PAN-THEISIM کہتے ہیں۔ اِس لیے کہ انگریزی میں PAN کہتے ہیں "سب" کو ALL کو۔ اب رہا THEISIM تو اِس کے معنی ہیں اُلوہیّت ــــ پس PAN-THEISIM کا مطلب ہوا کہ کائنات کی تمام چیزوں اور جُملہ مخلوقات کو اُلوہیّت حاصل ہے اور یہ سب اپنی اپنی جگہ "خُدا" ہیں۔ شجر بھی اُلوہیّت کا حامل، حجر بھی اُلوہیّت کا حامل، شمس و قمر بھی اُلوہیّت کے حامل ــــ مَیں اور آپ بھی اُلوہیّت کے حامل۔ غرضیکہ کائنات میں جو کچھ بھی ہے اور جس شکل میں بھی ہے

سب کا سب اُلوہیّت کا حامل ہے۔ خدا اِس کائنات ہی میں حل ہوگیا ہے ــــ اِسی نامعقول نظریے اور عقیدے کی فارسی کے اِس شعر میں نفی کی گئی ہے ؎

حلول و اتّحاد ایں جا محال است   کہ در وحدت دُوئی عینِ ضلال است

اِسی عقیدے کے دوسرے نام بھی ہیں جیسے عقیدۂ اتّحاد اور ہمہ اوست۔ یہ سب معمولی سے فرق کے ساتھ عقیدۂ حلول ہی کے اصل نظریّے کی فروع ہیں۔ یہ عقیدہ و نظریہ بھی شرک فی الذّات کی ایک کریہہ صورت ہے۔

عقیدۂ اوتار فلسفیانہ مذاہب میں اِسی عقیدۂ حلول نے ایک دوسری شکل میں خدا محدود پیمانے پر ظہور کیا جو عقیدۂ اوتار کہلاتا ہے جس کو انگریزی میں INCARNATION کہا جاتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ خدا کسی انسان کی شکل میں دنیا میں ظاہر ہوتا رہتا ہے، یا خدا کسی خاص انسان میں حلول کر جاتا ہے۔ چنانچہ جس انسان کے متعلّق یہ عقیدہ ہوگیا کہ اس صورت میں خدا نے نزول کیا ہے، یا یہ کہ اُس میں خدا نے حلول کر لیا ہے تو اُس انسان کو اُلوہیّت کا مقام لامحالہ دیا جائے گا۔ عقیدے کی اِسی کجی سے ہندو مت میں کرشن جی بھی اوتار ہیں اور رام چندر بھی اور نہ معلوم کتنے انسانوں کو اوتار قرار دیا گیا ہے، جن کا شمار آسان نہیں ــــ باطنی اسماعیلیوں کے ہاں بھی یہ عقیدہ ایک دوسری بگڑی ہوئی شکل میں موجود ہے۔ خدا ہی جانتا ہے کہ یہ مرض کہاں سے ہو کر کہاں کہاں پہنچا ہے۔ ہندوؤں کے ہاں نو اوتار متّفقہ ہیں۔ باطنی اسماعیلیوں نے ہندو ذہن کے قریب آنے کے لیے حضرت علیؓ کو دسواں اوتار قرار دے لیا۔ اُن کے عقیدے کے بموجب نعوذ باللہ خدا نے حضرت علیؓ میں حلول کیا اور اب حضرت علیؓ کی رُوح امامِ حاضر میں حلول کرتی رہتی ہے۔ بہرحال اسماعیلیوں کے متعلّق جو عرض کیا گیا ہے، اُس کو ایک جملۂ معترضہ سمجھیے۔

حاصل کلام یہ کہ دنیا میں شرک فی الذّات کے یہ دو بڑے بڑے عقیدے رہے ہیں۔ ایک کسی کو خدا کا بیٹا اور بیٹی ماننے کا عقیدہ ــــ اس گمراہی میں وہ اقوام و اُمم مبتلا ہوئیں، جن کے پاس آسمانی کتابیں موجود رہیں اور جن کی نسبت خدا کے برگزیدہ پیغمبروں سے ہے۔ دوسرے حلول اور اوتار کا عقیدہ ــــ اِس گمراہی میں وہ اقوام مبتلا ہوئیں کہ جن کے مذاہب فلسفیانہ بنیادوں پر قائم ہیں۔ اِن دونوں میں جیسا کہ میں عرض کر چکا، زیادہ مکروہ اور گھناؤنی صورت وہ ہے جو انبیاء و رُسُل سے تعلّق رکھنے والی اُمّتوں میں پیدا ہوئی۔ جس پر قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے غیظ و غضب کا بار بار اظہار ہوا ہے، جیسا کہ میں ابھی عرض کر چکا ــــ!

اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل | اب میں چاہتا ہوں کہ ایک اہم ترین بات کی طرف آپ کی توجہ مبذول کراؤں۔ وہ یہ کہ ہماری اُمّت پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و کرم ہے، جس پر ہمیں اُس کا خصوصی شکر ادا کرنا واجب ہے کہ اُس نے اُمّتِ محمّد علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ و السّلام کو بحیثیتِ مجموعی اِس نوع کے شرک سے تاحال محفوظ رکھا ہے، یہ معمولی بات نہیں ہے۔ پُورے چودہ سَو برس بیت گئے، جبکہ حضرت مسیح علیہ السّلام کے رفعِ آسمانی کو تو صرف چند ہی سال بیتے تھے کہ اُن کے بارے میں یہ ظلم ہوا کہ اُنہیں خدا کا بیٹا قرار دے دیا گیا۔ لیکن نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی بعثت پر چودہ صدیاں گزر چکیں لیکن حضورؐ کے ساتھ یہ گستاخی نہیں کی گئی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل و کرم ہے اور اُس کی طرف سے حضورؐ کو ایک تحفّظِ خصُوصی بھی حاصل ہے۔ مَیں نے جو یہ بات عرض کی ہے تو یہ جانتے ہوئے عرض کی ہے کہ ہمارے ہاں جُہلاء اور چند جاہل شُعراء کے ہاں کچھ ایسی باتیں ہیں کہ جن میں اوتار کے عقیدے کی جھلک کسی صورت میں پائی جاتی ہے۔ لیکن مَیں نے جو کچھ کہا ہے اُس کی اساس یہ حقیقت ہے کہ جتنے بھی ہمارے مسلّمہ مذہبی فرقے ہیں اور ان کے جو مستند عقاید ہیں، اُن میں کہیں بھی بحمد اللہ اِس نوعیّت کی کوئی بات شامل نہیں ہے۔ جاہل عوام، شُعراء اور بے علم واعظین کی بات اور ہے، یہ طبقہ عامّۃُ النّاس میں نفوذ اور سستی شہرت حاصل کرنے کی خاطر ایسی باتیں کہہ جاتے ہیں جن میں غُلو ہوتا ہے، شرک ہوتا ہے اور جو ہمارے عقیدۂ توحید کے بالکل خلاف ہوتی ہیں اور جن میں "عقیدۂ اوتار" کی جھلک ہوتی ہے جیسے کہ عوام میں یہ شعر بہت مشہور ہے

؎ وہی جو مستوئ عرش تھا خدا ہو کر ❊ وہی اُتر آیا مدینے میں مصطفےٰ ہو کر

یہ بالکل مشرکانہ قول ہے اور شعراء بالخصوص جاہل شعراء کے لیے قرآن نے یہ اٹل بات فرمادی ہے کہ: وَالشُّعَرَآءُ یَتَّبِعُھُمُ الْغَاوٗنَ ٥ اَلَمْ تَرَ اَنَّھُمْ فِیْ کُلِّ وَادٍ یَّھِیْمُوْنَ ٥ وَاَنَّھُمْ یَقُوْلُوْنَ مَا لَا یَفْعَلُوْنَ ٥ (سُورۃ الشعراء آیات ۲۲۴ تا ۲۲۶) ــــ "رہے شعراء، تو اُن کے پیچھے بہکے ہوئے لوگ چلا کرتے ہیں۔ کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے ہیں اور ایسی باتیں کہتے ہیں جو کرتے نہیں ہیں۔"

اُمّت کا مسلّمہ عقیدہ | لیکن جیسا کہ مَیں عرض کر چکا کہ ایسی بات نہ کسی مستند عالمِ دین نے کبھی کہی ہے اور نہ یہ بات ہمارے کسی بھی مسلّمہ فرقے کے مستند عقائد میں موجود ہے۔ اِس بات کی اصل حقیقت آپ پر جب منکشف ہو گی، جب آپ اس بات پر نظر رکھیں کہ عیسائیوں کو حضرت مسیح علیہ السّلام سے جو محبّت و عقیدت رہی ہے وہ اس محبّت و عقیدت اور احترام و تعظیم کا

عشرِ عشیر بھی نہیں ہے جو اُمتِ محمدؐ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسّلام کو نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے رہی ہے اور ہے۔ بلکہ اگر مَیں یہ کہوں تو بالکل حق بجانب ہوگا کہ عیسائیوں کو جو حضرت مسیح علیہ السّلام سے لگاؤ ہے اُس کی اِس محبت سے جو اُمّت کو حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم سے ہے، کوئی نسبت ہی نہیں ہے۔ یہ اُمّت جو ادب اپنے رسولؐ کا کرتی رہی ہے، وہ اظہر من الشمس ہے اس کے باوجود اُمّت کے کسی فرقے نے بھی نبی اکرمؐ کو بحمداللہ خدا کا بیٹا قرار نہیں دیا۔ ثم الحمدللہ کہ اِس اُمّت میں یہ گستاخی کہیں نظر نہیں آتی۔ میرے نزدیک یہ ایک معجزہ ہے، اللہ تعالیٰ کا یہ خصوصی فضل ہے، یہ خدائی تحفظ (DIVINE PROTECTION) حاصل ہے جناب محمدؐ مصطفےٰ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو —— یہ تحفظ اس لیے حاصل ہے کہ حضورؐ آخری نبی اور آخری رسول ہیں۔ آپؐ کے بعد تا قیامِ قیامت اب کوئی نبی، کوئی رسول آنے والا نہیں، آپ خاتم النّبیّن ؑ والمرسلین ہیں۔ اب حضورؐ ہی کا دورِ رسالت قیامت تک جاری وساری رہے گا۔ حضرت مسیح علیہ السّلام کی شخصیت کو مسخ کر دیا گیا تو قرآن مجید نے نازل ہو کر حضرت مسیحؑ کی حقیقی شخصیت کو پیش کر دیا۔ اب آپ ہی غور کیجئے کہ اگر کہیں جناب محمدؐ مصطفےٰ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی شخصیت کو مسخ کر دیا جاتا نَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ تو پھر اس کی تصحیح کون کرتا۔ تورات، زبور اور انجیل کو اللہ کی حفاظت حاصل نہیں تھی لیکن قرآن مجید کو ہے۔ اِس لیے کہ یہ آخری کتاب ہے: اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ سابقہ کتبِ سماوی کی تحریف ہوئی تو قرآن نے قلعی کھول دی، اُس کا پردہ چاک کر دیا۔ قرآن میں کہیں تحریف ہو جاتی، تو اُس کی تصحیح کون کرتا۔ بالکل اسی طریقہ سے نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو اللہ تعالیٰ کی جناب سے ایک خصوصی تحفظ حاصل ہے۔ اگر کہیں حضورؐ کے ساتھ یہ معاملہ ہو جاتا تو کون آنے والا تھا کہ جو اس کی اصلاح کرتا۔ فوری تقابل کے طور پر اس حقیقت پر غور کیجئے کہ حضرت علیؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے کیا نسبت ہو سکتی ہے! حضورؐ رسول ہیں اور رسول بھی کیسے رسول؟ سیّد المرسلین، خاتم النّبیّن، محبوبِ ربّ العالمین صلّی اللہ علیہ وسلّم اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُمّتی — بلاشبہ حضرت علیؓ اُمّت میں فضیلت کے اعتبار سے چوتھے نمبر پر ہیں اور چوتھے خلیفۂ راشد بھی ہیں۔ لیکن بہرحال اُمّتی ہیں اور ایک اُمّتی کو رسول سے کیا نسبت؟ بایں ہمہ حضرت علیؓ کو خدا کہنے والے پیدا ہو گئے۔ اُسی خیر القرون میں خود اُن کے دور میں پیدا ہو گئے خود حضرت علیؓ کے روبرو برملا کہا کہ "تم خدا ہو"۔ حضرت علیؓ نے اُن کو پکڑوایا، اُن کو اس فاسد عقیدے پر زجر و توبیخ کی، سزائیں دیں حتیٰ کہ قتل کرا دیا لیکن وہ اِس پر قائم رہے۔ وہ فرقہ آج

بھی موجود ہے۔ اِس وقت لبنان میں جو کچھ ہو رہا ہے اُس میں اس فرقے کی ریشہ دوانیوں کو بڑا دخل ہے۔ غور کیجئے کہ حضرت علیؓ کو خدا کہنے والا فرقہ پیدا ہو گیا اور اب بھی موجود ہے۔ لیکن للّٰہ الحمد والشکر کہ اِن چودہ صدیوں میں جناب محمدؐ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلّم کو خدا کہنے والا کوئی فرقہ پیدا نہیں ہوا ـــــ! اِس کا سبب کیا ہے؟ اِس کا سبب وہی ہے جو میں نے عرض کیا کہ حضورؐ کو خدا کی طرف سے ایک خصوصی تحفّظ حاصل ہے ـــــ اس ضمن میں قرآن مجید اور احادیث شریفہ میں جو خصوصی اہتمام ہوا ہے، اُس پر بھی نگاہ رکھیے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی حفاظت اپنے ذمّے لی تو اس کے لیے تدبیر بھی فرمادی۔ یہ حفظ کا نظم اور تسلسل، یہ تجوید و قرأت کا التزام و اہتمام۔ حفّاظ میں یہ شوق، ولولہ اور امنگ ـــــ اور پھر رمضان المبارک میں تراویح کا اہتمام و انتظام۔ یہ سب کچھ قرآن مجید کی حفاظت کی تدابیرِ الٰہیّہ ہیں۔ اسی طریق سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کو من عند اللہ اور من جانب اللہ جو تحفّظِ خصوصی حاصل ہے اُس کا ذریعہ دو تدبیریں بنیں۔

خدائی تدبیر | ایک طرف تو قرآن مجید نے بار بار اس حقیقت کو واضح کیا کہ محمدؐ نوع کے اعتبار سے فی الحقیقت بشر اور اللہ کے بندے ہیں البتہ اُن کی یہ خصوصیت ہے کہ اُن کو اللہ تعالیٰ نے اپنا نبی اور رسول بنایا ہے۔ اُن پر وحی نازل کی ہے اور اُن کو بنی نوع انسان کی رُشد و ہدایت پر معمور فرمایا ہے۔ چنانچہ سورۂ کہف اور سورہ حٰمٓ سجدہ میں فرمایا:

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ
(سورۂ کہف ۱۱۰ اور سورہ حٰمٓ السجدہ ۶)

اے نبی کہو کہ میں تو ایک انسان ہوں تم ہی جیسا، میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا خدا بس ایک ہی خدا ہے

سورہ المؤمنون میں فرمایا:

مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ (آیت: ۳۳)

یہ تو بس تمہارے ہی مانند ایک بشر ہے وہی کھاتا ہے جو تم کھاتے ہو۔

قرآن حکیم میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی بشریّت کو مختلف انداز و اسالیب سے نمایاں کیا گیا ہے، تو اُس کی حکمت یہی ہے کہ مبادا مسلمان بھی غلو کر بیٹھیں، مبادا وہ بھی اِسی گستاخی کا ارتکاب کریں جو حضرت مسیحؑ کے ساتھ کی گئی، مبادا وہ بھی اُسی افراط و تفریط کی روش اختیار کرلیں جو یہود نے حضرتِ عُزیرؑ اور نصاریٰ نے حضرت علیسیٰؑ کے ساتھ اختیار کی۔ چنانچہ بار بار اس بات کو واضح کیا گیا کہ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلّم) ہمارے نبی اور رسول ہیں، خاتم النبیّین والمرسلین ہیں ـــــ!

رحمۃ للعالمین ہیں، شافع محشر ہیں لیکن ہیں ہمارے بندے اور تمہاری طرح بشر انسان۔ اُلوہیت میں اُن کا کسی نوع کا کوئی حصّہ نہیں۔ کلمۂ شہادت کے دوسرے جزو میں نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی رسالت پہ حضورؐ کی عبدیّت کو مقدّم کیا گیا۔ اسی طرح قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کے متعلق اپنے خصوصی التفات کا جہاں ذکر فرمایا ہے تو وہاں حضورؐ کی شانِ عبدیّت کو نمایاں فرمایا ہے مثال کے طور پر صرف سورۂ بنی اسرائیل اور سورۂ کہف کی ابتدائی آیات پیش کرتا ہوں۔ سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا:۔ سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ۔ پھر سُورۂ کہف میں فرمایا:۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِہِ الْکِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّہٗ عِوَجًا ط

اُن کو تو یہ بھی اختیار نہیں دیا گیا کہ وہؐ اپنی چاہت، اپنی پسند اور اپنی خواہش کے مطابق کسی کو ہدایت کی راہِ مستقیم پر گامزن کر سکیں۔ اُنؐ کا مقام شاہد، مُبشّر، نذیر، داعی اور مُبلّغ کا ہے۔ کسی کو اپنے ارادے، اپنی مرضی اور اپنی پسند سے راہ یاب کر دینا اُن کے اختیار اور بس میں نہیں ہے۔ چنانچہ سورۃ القصص میں اِس بات کو کھول دیا گیا، فرمایا:۔

اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ وَھُوَ اَعْلَمُ بِالْمُھْتَدِیْنَ ۝ (آیت: ۵۶)	(اے نبیؐ) تم جن کو چاہو ہدایت نہیں دے سکتے، بلکہ اللہ ہی جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے، اور وہی ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا ہے!

سورۂ اعراف کی ایک آیت اور ملاحظہ فرمایئے جس میں نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی شخصیّت، مرتبہ اور مقام کو نہایت وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔ تاکہ اُمّت محمّدؐ علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسّلام فرطِ محبّت میں غلوّ کرنے کی ٹھوکر نہ کھائے اور حضورؐ کو یہ خصوصی تحفّظ حاصل رہے کہ حضورؐ کی شان میں اِس گستاخی کا ارتکاب نہ ہو جو عیسائیوں نے بحیثیّت اُمّت کیا ہے، فرمایا:۔ قُلْ لَّآ اَمْلِکُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ ط وَلَوْ کُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَکْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ وَمَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ ط اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ وَّبَشِیْرٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ

(اے نبیؐ) کہہ دو، میں اپنی ذات کے لیے کسی نفع و نقصان پر کوئی اختیار نہیں رکھتا، مگر جو اللہ چاہے اور اگر میں غیب جانتا ہوتا تو خیر کا بڑا خزانہ جمع کر لیتا اور مجھے کوئی گزند نہ پہنچ پاتا۔ میں تو بس ان لوگوں کے لیے ایک ہوشیار کرنے

حضورؐ کا اہتمام | دوسری طرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس بارے میں اتنی احتیاط فرمائی کہ جہاں ذرا سا شائبہ بھی پیدا ہو گیا کہ مبادا کہیں کوئی غلط فہمی اور مغالطہ راہ پا جائے تو اُس کا فوراً تدارک فرما دیا اور باریک سے باریک نکتے کو بھی نظرانداز ہونے نہیں دیا۔ چنانچہ کتبِ احادیث میں ایک روایت آتی ہے کہ ایک مرتبہ ایک صحابیؓ کی زبان سے نکل گیا کہ: "مَا شَاءَ اللّٰہُ وَمَا شِئْتَ" (یعنی جو اللہ چاہے اور آپ چاہیں) فوراً حضور نے روک دیا اور فرمایا کہ: اَجَعَلْتَنِیْ نِدًّا لِلّٰہِ (کیا تم نے مجھے خدا کا مدِّمقابل بنا دیا) مشیت صرف اللہ کی، اختیار صرف اُس کے ہاتھ میں۔ غور کیجئے کہ اس امر کا دور دور بھی امکان نظر نہیں آتا کہ کہنے والے کے ذہن میں اس بات کا ذرا بھی شائبہ موجود ہو کہ وہ مشیت میں نبی کو کسی درجہ میں بھی شریک سمجھتا ہو۔ کہنے والے نے تو ایک ایسی بات کہی تھی جو عموماً ایسے مواقع پر کہہ دی جاتی ہے لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احتیاط کا یہ عالم ہے کہ ان صحابیؓ کو ٹوک دیا۔ اِس باریک بینی اور اِس احتیاط کو اس دوسری تدبیر میں شمار کیجئے کہ جس کے ذریعے سے یہ حفاظتِ خصوصی جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوئی کہ اُن کے ساتھ گستاخی کا وہ معاملہ نہیں کیا جا سکا، جو لوگوں نے فرطِ محبت و عقیدت میں غلو کر کے حضرت مسیح علیہ السلام اور حضرت علیؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ کیا ہے

— ایک ضروری بات میں آگے بیان کرنا چاہتا تھا لیکن اِس وقت ذہن میں آ گئی ہے تو ابھی بیان کر دیتا ہوں۔ وہ یہ کہ، یہ "یا محمدؐ" کا جو سلسلہ چل نکلا ہے تو آپ غور کریں گے تو اس نتیجہ پہ پہنچیں گے کہ زیادہ تر عموماً یہ بعض مساجد کی زینت بنتا ہے، وہ بھی اِس لیے کہ اس مسجد کا ایک مخصوص فرقے سے تعلق نمایاں ہو جائے اور فوراً پہچان میں آ جائے کہ یہ مسجد فلاں فرقے سے متعلق ہے۔ یا وقتی ہنگامی مواقع پر جلسوں اور جلوسوں میں ہمارے عوامی قسم کے لیڈر ایک خاص ماحول پیدا کر کے بطورِ نعرہ اس کو کہلوا لیتے ہیں۔ اس نعرے کو غیر اسلامی سیاست اور جذباتی فضا کی پیداوار کہا جا سکتا ہے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ یہ لفظ ہمارے ہاں بطورِ نعرہ اس سے پہلے استعمال نہ ہوتا تھا۔ ہمارے جاہل عوام کی زبانوں پہ بطورِ نعرہ اور بطورِ دُعا (پکار) جو لفظ چڑھا ہوا تھا اور ہے وہ "یا علی" ہے۔ یہ ظلم اور یہ زیادتی بھی حضرت علیؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ہوتی رہی ہے۔ میدانِ جنگ یا کسی مشکل مرحلے پر جاہل عوام کی زبان پر "یا علی مدد" کا مشرکانہ نعرہ آتا ہے، "یا محمدؐ مدد" نہیں آتا۔ آپ یقیناً میری اس رائے سے اتفاق کریں گے کہ یہ اسی حفاظتِ خصوصی کا ظہور ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے۔ ورنہ جیسا کہ

(بقیہ صفحہ ۲۳ پر ملاحظہ فرمائیں)

دوسری قسط

دعوت الی اللہ

(تاریخ کے آئینے میں)

مولانا وصی مظہر ندوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین محمد الامین وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔

انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی رہنمائی میں جب بھی دعوت الی اللہ کی تحریک اٹھی ہے تو وہ بالعموم چار اہم مرحلوں سے گذری ہے۔ دعوت، براءت، ہجرت اور نصرت۔

قرآن مجید چونکہ قیامت تک کے لیے اس تحریک کے دستور العمل کی حیثیت رکھتا ہے، اس لیے اُس میں ان چار مرحلوں اور ان مرحلوں میں پیش آنے والی تمام اہم منزلوں کی ضروری تفصیل موجود ہے۔ تاکہ ہر منزل اور ہر مرحلے میں کام کرنے کا صحیح طریق کار واضح ہو جائے۔

یہ تو ضروری نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کے ہر برگزیدہ پیغمبر اور رسول کو ان چار منزلوں سے گذرنے کا موقعہ ملتا۔ چنانچہ قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض ایسے انبیاء بھی گذرے ہیں جو صرف دعوت ہی کی منزل میں رہے۔ لیکن خاتم النبیین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوہ چونکہ قیامت تک دنیا کی ہدایت کا ذریعہ بننے والا تھا، اس لیے آنحضرت نے ہر منزل اور ہر مرحلے کے لیے مکمل قولی اور عملی ہدایات چھوڑی ہیں۔

آج کی گفتگو میں ہم قرآن مجید اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں دعوت الی اللہ کے ہر مرحلے کی نمایاں خصوصیات اور اس میں کام کرنے کے مخصوص انداز کے بارے میں اجمالی اشارات کریں گے۔

دعوت انبیاء علیہم السلام کی تحریک کا اوّلین مرحلہ جیسا کہ پہلے واضح کیا جا چکا ہے

دعوت کا مرحلہ ہے۔ اس مرحلے میں دراصل کئی منزلیں آتی ہیں۔

ابتدائی منزل میں انبیاءِ کرام "اے لوگو" "اے انسان" "اے میری قوم" جیسے اپنائیت بھرے انداز سے خطاب کرتے ہیں۔ پھر وہ جاہلی معاشرہ جس کی رگ رگ میں بگاڑ رچا ہوا ہوتا ہے، کے سطحی اور سرسری علاج پر رضامند نہیں ہوتے۔ نہ وہ بیماری کے مظاہر کے خلاف محاذ بناتے ہیں بلکہ وہ خرابی کی اصل جڑ پر حملہ کرتے ہیں۔ چنانچہ دعوت کے ابتدائی مرحلے میں وہ اپنا پورا زور اللہ تعالیٰ کی توحید، شرک کی تردید، آخرت کی جوابدہی اور اعلیٰ اخلاق کی تعلیم تک محدود رکھتے ہیں۔

انسان اگر بنیادی طور پہ اس حقیقت کو تسلیم کرے کہ نہ وہ آزاد و خودمختار ہے اور نہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا بندہ ہے اور یہ کہ اس کو اپنے پورے کارنامۂ زندگی کا حساب اپنے رب کے حضور قیامت کے دن پیش کرنا ہوگا۔ جہاں کی ناکامی اور نامرادی ابدی ناکامی اور نامرادی ہوگی اور جہاں کی کامیابی بھی ابدی اور لازوال ہوگی۔ جہاں پر کوئی سفارش کوئی رشوت کوئی دباؤ، کوئی دھوکہ اور فریب نہ چل سکے گا۔ اور جہاں فیصلے کا اختیار صرف اللہ رب العالمین کے ہاتھ میں ہوگا۔ جس انسان کے دل میں یہ حقائق گھر کر جاتے ہیں اس کی ہمہ جہتی اصلاح کا کام نہایت آسان ہو جاتا ہے۔ ہر نیکی کو اختیار کرنے اور ہر بدی سے بچنے کے لیے اسے صرف یہ بات بتانا کافی ہو جاتا ہے کہ یہ عمل اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اور یہ ناپسند، پھر اس کی اصلاح کے لیے کسی خارجی دباؤ کی ضرورت بھی نہیں ہوتی۔ آخرت کی جوابدہی کا یقین اُس کو خود بخود صراطِ مستقیم پہ گامزن رکھتا ہے۔

انبیاءِ کرام علیہم السّلام توحید کے اثبات، شرک کے ابطال اور فکرِ آخرت کی تخلیق کے لیے محض فلسفیانہ اور منطقی دلائل پہ بھروسہ نہیں کرتے بلکہ وہ آفاق کائنات میں پھیلی ہوئی اور نفسِ انسانی میں چھپی ہوئی آیاتِ الٰہی کا اس طرح مشاہدہ کرا دیتے ہیں کہ اُن کی دعوت قلبِ سلیم رکھنے والوں کو اوپری محسوس نہیں ہوتی۔ بلکہ خود ان کی اپنی فطرت کی پکار بن کر دلوں میں اترتی چلی جاتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جاہلی معاشرے کے وہ افراد جو مفاد پرستی میں مبتلا نہیں ہوتے اور اعلیٰ انسانی اوصاف سے متصف ہوتے ہیں وہ اس دعوت کو سنتے ہی اسے قبول کر لیتے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدّیق، حضرت خدیجۃ الکبریٰ، حضرت علی اور حضرت زید بن حارثہ

وغیرہ کے قبولِ اسلام کے واقعات ہمارے اس نقطۂ نظر کی تائید کی واضح شہادت ہیں۔

دعوت کے ابتدائی مرحلے میں جاہلی معاشرے کے کرتا دھرتا بالعموم ان کی دعوت کو اپنی بے التفاتی، شانِ استغنا اور بے توجہی کے ذریعہ شکست دینا چاہتے ہیں:

وَانْطَلَقَ الْمَلَأُ مِنْهُمْ أَنِ امْشُوا وَاصْبِرُوا عَلَىٰ آلِهَتِكُمْ إِنَّ هَٰذَا لَشَيْءٌ يُرَادُ ۖ (ص: ۶)

اور ان کے سردار (یہ کہتے ہوئے) نکل پڑے کہ (یہاں سے) چلو اور اپنے معبودوں کی عبادت پر جمے رہو۔ یہ تو کسی (آفت کے آنے) کا فیصلہ معلوم ہوتا ہے[1]۔

لیکن جب معاشرے کے صالح اور ذہین نوجوان دعوت کی طرف کھنچنے لگتے ہیں تو جاہلیت کے اصولوں پر قائم معاشرے کی بنیادوں میں ان کو تزلزل پیدا ہونے کا خطرہ نظر آنے لگتا ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں:

إِنِّي أَخَافُ أَنْ يُبَدِّلَ دِينَكُمْ أَوْ أَنْ يُظْهِرَ فِي الْأَرْضِ الْفَسَادَ (المؤمن: ۲۶)

(فرعون نے کہا) مجھے اندیشہ ہے کہ وہ (موسیٰ) تمہارے دین (نظامِ زندگی) کو بدل نہ ڈالے یا کہیں ملک میں گڑبڑ نہ پھیلا دے۔

اگرچہ ابتدائی طور پر ایمان لانے والوں کی تعداد بہت تھوڑی ہوتی ہے لیکن ان ایمان لانے والوں کا جوش و ولولہ اُن کی بلند سیرت اور اس دعوت کے اصولوں کی صداقت جاہلیت کے علم برداروں کی نیندیں حرام کر دیتی ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰؑ پر ایمان لانے والے اگرچہ صرف چند نوجوان تھے۔ جیسا کہ ارشاد ہے: فما آمن لموسیٰ الا ذریۃ من قومہ تو موسیٰ کی بات پر صرف ان کی قوم کے چند نوجوانوں نے اعتماد کیا، اس کے باوجود فرعون کا حال یہ تھا:

إِنَّ هَٰؤُلَاءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيلُونَ وَإِنَّهُمْ لَنَا لَغَائِظُونَ وَإِنَّا لَجَمِيعٌ حَاذِرُونَ ۝ (الشعراء: ۵۴ تا ۵۶)

یقیناً یہ ایک چھوٹا سا ٹولہ ہے (مگر وہ ہمارے لیے حلق کا کانٹا بن گیا ہے۔ اور ہم سب کے سب ان سے خوف زدہ ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر سردارانِ قریش کا ردِّ عمل بھی یہی تھا۔ انہوں نے ابتداءً تغافل برتا، پھر خاندانی دباؤ استعمال کیا اور پھر تشدد کے ذریعہ اس دعوت کو کچل ڈالنے

[1] ان ھذا لشیء من نوائب الدھر یراد بنا فلا انفکاک لنا منہ (کشاف)

کی کوشش کی۔

ابتداءً تشدد کی لہر صرف ان ایمان لانے والوں کے خلاف اٹھتی ہے جو معاشرے میں کمزور اور بے اثر سمجھے جاتے ہیں۔ بااثر گھرانوں کے نوجوانوں کو محض فہمائش اور ڈانٹ ڈپٹ کے ذریعہ اس دعوت سے منحرف کرنے کی کوشش کی جاتی۔ کبھی "بڑوں کی بات" ماننے کی اخلاقی دھونس دے کر کہا جاتا ہے کہ اولاد پر والدین کی اطاعت فرض ہے، تم ہمارا کہا مانو عذاب ثواب سب ہماری گردن پر۔ سورۂ عنکبوت میں اس اخلاقی دباؤ کا مفصل جواب دیا گیا ہے:

وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ۖ وَإِن جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا۔ (العنکبوت : ۸)

اور ہم نے (ہی) انسان کو اپنے والدین کے ساتھ اچھے سلوک کی ہدایت کی ہے (لیکن) اگر وہ تجھ سے اس بات پر ضد کریں کہ تو میرے ساتھ بے بنیاد چیزوں کو شریک کرے تو تُو ان کی اطاعت نہ کر۔

آگے چل کر ارشاد ہوتا ہے:

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا اتَّبِعُوا سَبِيلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطَايَاكُمْ وَمَا هُم بِحَامِلِينَ مِنْ خَطَايَاهُم مِّن شَيْءٍ ۖ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ۝ (العنکبوت : ۱۲)

اور کفر کرنے والوں نے ایمان لانے والوں سے کہا: "تم ہماری راہ پر چلو ہم تمہارے گناہوں کا بوجھ اٹھائیں گے"، حالانکہ وہ ان کے گناہوں کے بوجھ میں سے کچھ بھی نہ اٹھائیں گے یقیناً وہ غلط کہتے ہیں۔

پھر حضرت ابراہیمؑ، حضرت نوحؑ، حضرت لوطؑ وغیرہ انبیاء کی مثالیں دے کر بتایا کہ ابراہیمؑ اپنے باپ، حضرت نوحؑ اپنے بیٹے، حضرت لوطؑ اپنی بیوی کو اللہ کے عذاب سے نہ بچا سکے۔ جب اہلِ ایمان اس آزمائش کو جھیل جاتے ہیں تو پھر اربابِ اقتدار کی طرف سے تشدد کو تیز تر کر دیا جاتا ہے اور داعیٔ حق کو بھی لالچ دے کر خریدنے کی ناکام کوشش کی جاتی ہے۔ اس تشدد کا نتیجہ یہ ہوتا ہے ایک طرف اہلِ ایمان کے عقیدہ اور عمل میں پختگی آتی ہے اور جب وہ رکاوٹوں اور مشکلات کے اندر سے راہیں نکالنے کی کوشش کرتے ہیں تو ان کی مخفی صلاحیتیں ابھرتی ہیں اور بادِ مخالف کی اس تندی سے عقاب بلند پروازی کے سبق سیکھتا ہے۔

دوسری طرف معاشرے کے دیگر باضمیر افراد جب دیکھتے ہیں کسی ذاتی غرض یا دنیوی مفاد کے لیے نہیں بلکہ محض اللہ تعالیٰ کی رضا اور بندگانِ خدا کی ہدایت کے لیے معاشرے کے صالح نوجوان ہر قسم کے مظالم برداشت کر رہے ہیں تو اُن کا ضمیر بھی بیدار ہو جاتا ہے اور کبھی وہ ابو طالب، حکیم ابن حزام مطعم ابن عدی اور زمعہ ابن الاسود کی طرح محض اہلِ ایمان پر سے ظلم کا دباؤ کم کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور کبھی حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ کی طرح ان کو اہلِ ایمان کی صف میں مجاہدانہ طور پر داخل ہونے کی سعادت حاصل ہو جاتی ہے۔

دعوت کی اس منزل میں صرف "الملأ" یعنی معاشرے کے کارفرما طبقے میں سے صرف وہ افراد ایمان لے آتے ہیں جو مفاد پرست نہیں ہوتے، جو قلبِ سلیم رکھتے ہیں، جو حق کے پہلے سے جویا ہوتے ہیں اور جو پاکیزہ کردار کے مالک ہوتے ہیں۔ عوام الناس میں سے صرف چند ایسے لوگ ایمان لاتے ہیں جو اخلاق کی بلندی کے ساتھ ساتھ فکر و نظر کی بھی اعلیٰ صلاحیت کے مالک ہوتے ہیں۔ یہی ابتدائی ایمان لانے والے "السابقون الاوّلون" کہلاتے ہیں اور آئندہ مل کر تحریک کی قیادت کی ذمہ داری یہی لوگ اٹھاتے ہیں۔

دعوت کی تیسری منزل میں داعیٔ حق "الملأ" کی حق دشمنی اور مفاد پرستی کا پردہ چاک ہو جانے کے باعث ان پر شدید تنقید کا آغاز کر دیتا ہے۔ اُن کے گھناؤنے کردار کے ایک ایک پہلو کو قوم کے سامنے کھول کر رکھ دیتا ہے۔ اُن کے جھوٹ، اُن کی بدزبانی، اُن کے مکر و فریب، اُن کی دنیا طلبی، اُن کی ضد اور ہٹ دھرمی، اُن کے بخل اور ان کی حرص، غرضیکہ اُن کے ایک ایک بگاڑ کو عوام الناس کے سامنے کھول کر رکھ دیتا ہے۔

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيمٍ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ عُتُلٍّ بَعْدَ ذَٰلِكَ زَنِيمٍ۔ أَن كَانَ ذَا مَالٍ وَبَنِينَ (القلم: ۱۰ تا ۱۴)

اور تو بے آبرو، بات بات پر قسم کھانے والے طعنہ زنی کرنے والے، چغل خور، متکبر اور اس سب پر مستزاد یہ کہ بے نصیب انسان کی بات نہ مان۔ محض اس لیے کہ وہ مال اور اولاد والا ہے

اور وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ الَّذِي جَمَعَ مَالًا وَعَدَّدَهُ يَحْسَبُ أَنَّ مَالَهُ أَخْلَدَهُ (الھمزۃ: ۱ تا ۳)

تباہی ہے طعنہ زنی اور چغلی کرنے والے کے لیے۔ جس نے مال جمع کیا اور اس کو گن گن کر رکھا۔ سمجھتا یہ ہے کہ اس کا مال اس کو

اور اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝ (الماعون ۱:۳)

کیا تم نے اس شخص کو دیکھا جو جزا و سزا کو جھٹلاتا ہے۔ وہی تو ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کو کھانا کھلانے تک کا روادار نہیں ہوتا۔

داعیٔ حق کی اس تنقید سے ہر شخص یہ بات اچھی طرح سمجھ لیتا ہے کہ یہ ارباب اقتدار حق کو پہچاننے کے بعد محض اپنے ذاتی مفادات کی حفاظت کے لیے اس کی مخالفت پر کمربستہ ہیں۔ اس تنقید کا جہاں یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ معاشرہ کے کرتا دھرتا اپنے ظلم و تشدد کو انتہائی تیز کر دیتے ہیں وہاں معاشرے کے جن افراد کے ضمیروں میں زندگی کی رمق بھی ہوتی ہے وہ پوری طرح حق کا حقیقی ساتھ دینے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ اس تنقید کا ایک اور بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ عوام الناس اپنے سرداروں کے کردار سے واقف اور باخبر ہونے کے بعد ان کی ذہنی غلامی سے آزاد ہو جاتے ہیں اور ان سے ان کی مرعوبیت ختم ہو جاتی ہے چنانچہ وہ اپنے سرداروں کے خلاف عملی بغاوت کے لیے ذہنی طور پر تیار ہو جاتے ہیں۔

شرک اور اقسام شرک

(بقیہ از صـ۱۷)

میں عرض کر چکا کہ حضرت علیؓ کا نبی اکرمؐ سے نسبت کا تعلق یہ ہے کہ ایک اُمتی ہیں اور دوسرے رسول، اور رسول بھی کیسے؟ سید المرسلین، خاتم النبیین، رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم!

خلاصہ کلام یہ کہ شرک فی الذات کے ذیل میں دو بڑے بڑے شرک دنیا میں رائج رہے ہیں۔ پہلا شرک فی الذات وہ عریاں ترین، انتہائی مکروہ اور سب سے گھناؤنا شرک ہے جو مخلوق میں سے کسی کو خدا کا بیٹا یا بیٹیاں قرار دینے سے متعلق ہے۔ جس میں وہ قومیں اور امتیں مبتلا ہوئیں اور رہیں، جن کی نسبت انبیاء و رُسُل سے ہے اور دوسرا شرک فی الذات وہ جس میں فلسفیانہ مذاہب کے پیرو مبتلا ہیں یعنی ہمہ اوست، حلول، اتحاد، اور اوتار کا عقیدہ اور یہ دونوں گروہ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا ۝ کے زمرے میں آتے ہیں۔

(جاری)

روحِ انتخاب

تاریخ ساز مدبّر

مولانا امین احسن اصلاحی

(ماخوذ از سیارہ ڈائجسٹ رسول نمبر)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے دنیا کے لیے جو دین بھیجا وہ جس طرح ہماری انفرادی زندگی کا دین ہے، اسی طرح ہماری اجتماعی زندگی کا بھی دین ہے۔ جس طرح وہ عبادت کے طریقے بتاتا ہے اسی طرح وہ سیاست کے آئین بھی سکھاتا ہے اور جتنا تعلق اس کا مسجد سے ہے، اُتنا ہی تعلق اس کا حکومت سے بھی ہے۔ اس دین کو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو بتایا اور سکھایا بھی اور ایک وسیع ملک کے اندر اس کو عملاً جاری و نافذ بھی کر دیا۔ اس وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی جس طرح بحیثیت ایک مزکّی نفوس اور ایک معلّم اخلاق کے ہمارے لیے اُسوہ اور نمونہ ہے اسی طرح بحیثیت ایک ماہر سیاست اور مدبّر کامل کے بھی اُسوہ اور مثال ہے۔

اس امرِ واقعی سے ہر شخص واقف ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے عرب قوم سیاسی اعتبار سے ایک نہایت پست حال قوم تھی۔ مشہور مؤرخ علامہ ابن خلدون نے تو اُن کو اُن کے مزاج کے اعتبار سے بھی ایک بالکل غیر سیاسی قوم قرار دیا ہے۔ ممکن ہے بعض لوگوں کو اس رائے سے پُورا پُورا اتفاق نہ ہو، تاہم اس حقیقت سے تو کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ اہلِ عرب اسلام سے پہلے اپنی پُوری تاریخ میں کبھی وحدت اور مرکزیت سے آشنا نہیں ہوئے۔ بلکہ ہمیشہ اُن پر نراج اور انارکی کا تسلط رہا۔ پُوری قوم جنگجو اور باہم نبرد آزما قبائل کا مجموعہ تھی، جس کی ساری قوت و صلاحیت خانہ جنگیوں اور آپس کی لُوٹ مار میں برباد ہوتی تھی۔ اتحاد، تنظیم، شعورِ قومیت اور حکم و اطاعت وغیرہ جیسی چیزیں جن پر اجتماعی اور سیاسی زندگی کی بنیادیں قائم ہوتی ہیں، اُن کے اندر یکسر مفقود تھیں۔ ایک خاص بدویانہ حالت پر صدیوں تک زندگی گزارتے گزارتے اُن کا مزاج نراج پسندی کے لیے اتنا پختہ ہو چکا تھا کہ اُن کے اندر وحدت و مرکزیت پیدا کرنا ایک امرِ محال بن چکا تھا۔ خود قرآن نے اُن کو قَوْمًا لُدًّا کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے جس کے معنی جھگڑالو قوم کے ہیں۔ اور اُن کی وحدت و تنظیم کے بارے میں فرمایا ہے: لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی

الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِھِمْ (الانفال: ۶۳) "اگر تم زمین کے سارے خزانے بھی خرچ کر ڈالتے جب بھی اُن کے دلوں کو آپس میں جوڑ نہیں سکتے تھے۔"

لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے ۲۳ سال کی قلیل مدّت میں اپنی تعلیم و تبلیغ سے اس قوم کے مختلف عناصر کو اس طرح جوڑ دیا کہ یہ پوری قوم ایک بُنیانِ مرصوص بن گئی۔ یہ صرف متحد اور منظم ہی نہیں ہوگئی، بلکہ اُس کے اندر سے صدیوں کے پرورش پائے ہوئے اسبابِ نزاع و اختلاف بھی ایک ایک کرکے دُور ہوگئے۔ یہ صرف اپنے ظاہر ہی میں متحد و مربوط نہیں ہوگئی، بلکہ اپنے باطنی عقائد و نظریات میں بھی بالکل ہم آہنگ و ہم رنگ ہوگئی۔ یہ صرف خود ہی منظم نہیں ہوگئی بلکہ اُس نے پُوری انسانیت کو بھی اتحاد و تنظیم کا پیغام دیا۔ اور اُس کے اندر حکم و اطاعت دونوں چیزوں کی ایسی اعلیٰ صلاحیتیں اُبھر آئیں کہ صرف استعارے کی زبان میں نہیں، بلکہ واقعات کی زبان میں یہ قوم شتربانی کے مقام سے جہاں بانی کے مقام پر پہنچ گئی۔ اور اُس نے بلا استثناء دنیا کی ساری ہی قوموں کو سیاست اور جہاں بانی کا درس دیا۔

اس تنظیم و تالیف کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ ایک بالکل اُصولی اور انسانی تنظیم تھی اس کے پیدا کرنے میں حضورؐ نے نہ تو قومی، نسلی، لسانی اور جغرافیائی تعصّبات سے کوئی فائدہ اٹھایا نہ قومی حوصلوں کی انگیخت سے کوئی کام لیا، نہ دنیوی مفادات کا کوئی لالچ دلایا، نہ کسی دشمن کے ہوّے سے لوگوں کو ڈرایا۔ دُنیا میں جتنے بھی چھوٹے بڑے مُدبّر اور سیاست دان گزرے ہیں انہوں نے ہمیشہ اپنے سیاسی منصوبوں کی تکمیل میں انہی محرّکات سے کام لیا ہے۔ اگر حضورؐ بھی اِن چیزوں سے فائدہ اٹھاتے تو یہ بات آپؐ کی قوم کے مزاج کے بالکل مطابق ہوتی لیکن آپؐ نے نہ صرف یہ کہ ان چیزوں سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھایا، بلکہ ان میں سے ہر چیز کو فتنہ قرار دیا اور ہر فتنے کی خود اپنے ہاتھوں سے بیخ کنی فرمائی۔ آپ نے اپنی قوم کو صرف خدا کی بندگی اور اطاعت، عالمگیر انسانی اخوّت، ہمہ گیر عدل و انصاف، اعلائے کلمۃ اللہ اور خوفِ آخرت کے محرّکات سے جگایا۔ یہ محرّکات نہایت اعلیٰ اور پاکیزہ تھے۔ اس وجہ سے آپؐ کی مساعی سے دنیا کی قوموں میں صرف ایک قوم کا اضافہ نہیں ہوا، بلکہ ایک بہترین اُمّت ظہور میں آئی، جس کی تعریف یہ بیان کی گئی ہے: کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ (آلِ عمران: ۱۱۰) "تم دنیا کی بہترین اُمّت ہو جو لوگوں کو نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کے لیے اُٹھائے گئے۔"

حضورؐ کی سیاست اور حضورؐ کے تدبّر کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ آپ جن اُصولوں کے داعی بن کر اُٹھے

اگرچہ وہ، جیسا کہ میں نے عرض کیا۔ فرد، معاشرہ، اور قوم کی ساری زندگی پر حاوی تھے اور انفرادی و اجتماعی زندگی کا ہر گوشہ ان کے احاطے میں آتا تھا۔ لیکن آپؐ نے کسی اُصول کے معاملے میں کبھی کوئی لچک قبول نہیں فرمائی۔ نہ دشمن کے مقابل میں نہ دوست کے مقابل میں۔ آپؐ کو سخت سے سخت حالات سے سابقہ پیش آیا۔ ایسے سخت حالات سے کہ لوہا بھی ہوتا تو ان کے مقابل میں نرم پڑ جاتا۔ لیکن آپؐ کی پوری زندگی گواہ ہے کہ آپؐ نے کسی سختی سے دب کر کسی اصول کے معاملے میں کوئی سمجھوتا گوارا نہیں کیا۔ اسی طرح آپؐ کے سامنے پیش کشیں بھی کی گئیں۔ اور آپؐ کو مختلف قسم کی دینی اور دنیوی مصلحتیں بھی سمجھانے کی کوشش کی گئی، لیکن ان چیزوں میں سے کوئی چیز آپؐ کو متاثر یا مرعوب نہ کر سکی چنانچہ آپؐ جب دنیا سے تشریف لے گئے تو اس حال میں تشریف لے گئے کہ آپؐ کی زبان مبارک سے نکلی ہوئی ہر بات اپنی جگہ پر پتھر کی لکیر کی طرح ثابت و قائم تھی۔ دُنیا کے مدبّروں اور سیاستدانوں میں سے کسی ایسے مُدبّر اور سیاستدان کا نشان آپؐ نہیں دے سکتے۔ جو اپنے دو چار اصولوں کو بھی دنیا میں برپا کرنے میں اتنا مضبوط ثابت ہو سکا ہو کہ اُس کی نسبت یہ دعویٰ کیا جا سکے کہ اُس نے اپنے کسی اصول کے معاملے میں کمزوری نہیں دکھائی یا ٹھوکریں نہیں کھائیں لیکن حضورؐ نے ایک پورا نظامِ زندگی کھڑا کر دیا، جو اپنی خصوصیات کے لحاظ سے زمانہ کے مذاق اور رجحان سے اتنا بے جوڑ تھا کہ وقت کے مدبّرین اور ماہرین سیاست اس انوکھے نظام کے پیش کرنے کے سبب سے حضورؐ کو نعوذ باللہ دیوانہ کہتے تھے لیکن حضورؐ نے اس نظامِ زندگی کو عملاً دنیا میں برپا کر کے ثابت کر دیا کہ جو لوگ آپؐ کو دیوانہ سمجھتے تھے، خود دیوانے تھے صرف یہی نہیں کہ حضورؐ نے کسی مفاد یا مصلحت کی خاطر اپنے کسی اصول میں کوئی ترمیم نہیں فرمائی۔ بلکہ اپنے پیش کردہ اصولوں کے لیے بھی اپنے اصولوں کی قربانی نہیں دی۔ اصولوں کے لیے جان اور مال اور دوسری تمام محبوبات کی قربانی دی گئی ہر طرح کے خطرات برداشت کیے گئے اور ہر طرح کے نقصانات گوارا کیے گئے لیکن اصول کی ہر حال میں حفاظت کی گئی۔ اگر کوئی بات صرف خاص مدّت تک کے لیے تھی، تو اس کا معاملہ اور تھا۔ وہ اپنی مدت پُوری کر چکنے کے بعد ختم ہو گئی یا اس کی جگہ اس سے بہتر کسی دوسری چیز نے لے لی لیکن باقی رہنے والی چیزیں ہر حال میں اور ہر قیمت پر باقی رکھی گئیں۔ آپؐ کو اپنی زندگی میں یہ کہنے کی نوبت نہیں آئی کہ میں نے دعوت تو دی تھی فلاں اُصول کی لیکن اب حکمتِ عملی کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو چھوڑ کر اس کی جگہ پر فلاں بات بالکل اس کے خلاف اختیار کر لی جائے۔

حضورؐ کی سیاست اس اعتبار سے بھی دنیا کے لیے ایک اور نمونہ اور مثال ہے کہ آپؐ نے

سیاست کو عبادت کی طرح، ہر قسم کی آلودگیوں سے پاک رکھا۔ آپ جانتے ہیں کہ سیاست میں وہ بہت سی چیزیں مباح، بلکہ بعض صورتوں میں مستحسن سمجھی جاتی ہیں، جو شخصی زندگی کے کردار میں مکروہ اور حرام قرار دی جاتی ہیں۔ اگر کوئی شخص اپنی کسی ذاتی غرض کے لیے جھوٹ بولے، چالبازیاں کرے، عہد شکنیاں کرے، لوگوں کو فریب دے، یا ان کے حقوق غصب کرے، تو اگرچہ اس زمانے میں اقتدار اور پیمانے بہت کچھ بدل چکے ہیں۔ تاہم اخلاق بھی ان چیزوں کو معیوب ٹھیراتا ہے اور قانون بھی ان باتوں کو جرم قرار دیتا ہے۔ لیکن اگر ایک سیاستدان اور ایک مدبر یہی سارے کام کرے تو یہ اس کے فضائل و کمالات میں شمار ہوتے ہیں۔ اس کی زندگی میں بھی اس کے اس طرح کے کارناموں پر اس کی تعریفیں ہوتی ہیں اور مرنے کے بعد بھی اپنے انہی کمالات کی بنا پر وہ اپنی قوم کا ہیرو سمجھا جاتا ہے۔ سیاست کے لیے یہی اوصاف و کمالات عرب جاہلیت میں بھی ضروری سمجھے جاتے تھے، اور اس کا نتیجہ یہ تھا کہ جو لوگ ان باتوں میں شاطر ہوتے، وہی لوگ اُبھر کر قیادت کے مقامات پر آتے تھے۔

لیکن حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سیاسی زندگی سے دنیا کو یہ درس دیا کہ ایمانداری اور سچائی جس طرح انفرادی زندگی کی بنیادی اخلاقیات میں سے ہے، اُسی طرح اجتماعی اور سیاسی زندگی کے لوازم میں سے بھی ہے۔ بلکہ آپؐ نے ایک عام شخص کے جھوٹ کے مقابلے میں ایک صاحبِ اقتدار اور بادشاہ کے جھوٹ کو، جیسا کہ حدیث میں وارد ہے، کہیں زیادہ سنگین قرار دیا ہے۔ آپؐ کی پوری سیاسی زندگی ہمارے سامنے ہے۔ اس سیاسی زندگی میں وہ تمام مراحل آپؐ کو پیش آئے جن کے پیش آنے کی ایک سیاسی زندگی میں توقع کی جاسکتی ہے۔ آپؐ نے ایک طویل عرصہ نہایت مظلومیت کی حالت میں گزارا اور کم و بیش اتنا ہی عرصہ آپؐ نے اقتدار اور سلطنت کا گزارا۔ اس دوران میں آپؐ کو حریفوں اور حلیفوں دونوں سے مختلف قسم کے سیاسی اور اقتصادی معاہدے کرنے پڑے۔ دشمنوں سے متعدد جنگیں کرنی پڑیں۔ عہد شکنی کرنے والوں کے خلاف جوابی اقدامات کرنے پڑے۔ قبائل کے وفود سے معاملے کرنے پڑے۔ آس پاس کی حکومتوں کے وفود سے سیاسی گفتگوئیں کرنی پڑیں، اور سیاسی گفتگوؤں کے لیے اپنے وفود ان کے پاس بھیجنے پڑے۔ بعض بیرونی طاقتوں کے خلاف فوجی اقدامات کرنے پڑے۔ یہ سارے کام آپؐ نے انجام دیئے لیکن دوست اور دشمن ہر شخص کو اس بات کا اعتراف ہے کہ آپؐ نے کبھی کوئی جھوٹا وعدہ نہیں کیا۔ اپنی کسی بات کی غلط تاویل کرنے کی کوشش نہیں فرمائی۔ کوئی بات کہہ چکنے کے بعد اس سے انکار نہیں کیا، کسی معاہدے کی خلاف ورزی نہیں کی۔ حلیفوں کا نازک سے نازک حالات میں بھی ساتھ دیا اور دشمنوں کے ساتھ بدتر سے بدتر حالات میں بھی انصاف کیا۔ اگر

آپ دنیا کے مدبرین اور اہلِ سیاست کو اس کسوٹی پر جانچیں تو میں پورے اعتماد کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہوں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کو بھی آپ اس کسوٹی پر کھرا نہ پائیں گے۔ پھر یہ بات بھی ملحوظ رکھنے کی ہے کہ سیاست میں عبادت کی سی دیانت اور سچائی قائم رکھنے کے باوجود حضورؐ کو اپنی سیاست میں کبھی کسی ناکامی کا تجربہ نہیں کرنا پڑا۔ اب اس چیز کو چاہے تدبر سے تعبیر کیجئے یا حکمتِ نبوت سے۔

حضورؐ کی سیاست، حضورؐ کے تدبر کا یہ بھی ایک اعجاز ہے کہ آپؐ نے عرب جیسے ملک کے ایک ایک گوشے میں امن و عدل کی حکومت قائم کر دی۔ کفار و مشرکین کا زور آپ نے اس طرح توڑا کہ فتح مکہ کے موقع پر فی الواقع انہوں نے گھٹنے ٹیک دیئے۔ یہود کی سیاسی سازشوں کا بھی آپؐ نے خاتمہ کر دیا۔ رومیوں کی سرکوبی کے لیے بھی آپؐ نے انتظامات فرمائے۔ یہ سارے کام آپؐ نے کر ڈالے لیکن اس سارے کام کے اندر انسانی خون بہت کم بہا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کی تاریخ بھی شہادت دیتی ہے، اور آج کے واقعات بھی شہادت دے رہے ہیں کہ دنیا کے چھوٹے چھوٹے انقلاب میں بھی ہزاروں لاکھوں جانیں ختم ہو جاتی ہیں۔ اور مال و اسباب کی بربادی کا تو کوئی اندازہ ہی نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھوں سے جو انقلاب برپا ہوا اس کی عظمت اور وسعت کے باوجود شاید ان نفوس کی تعداد چند سو سے زیادہ نہیں ہوگی جو اس ساری جدّ و جہد کے دوران حضورؐ کے ساتھیوں میں شہید ہوئے، یا مخالف گروہ کے آدمیوں میں قتل ہوئے!!

پھر یہ بات بھی غایت درجہ اہمیت رکھتی ہے کہ دنیا کے معمولی معمولی انقلابات میں بھی ہزاروں، لاکھوں آبروئیں فاتح فوجوں کی ہوس کا شکار ہو جاتی ہیں۔ اس تہذیب و تمدن کے زمانے میں ہم نے دیکھا ہے کہ فاتح ملک کی فوجوں نے مفتوح ملک کی سڑکیں اور گلیاں حرام کی نسلوں سے بھر دی ہیں۔ اور ستم بالائے ستم یہ ہے کہ اربابِ سیاست اس صورتِ حال پر شرمندگی اور ندامت کا اظہار کرنے کی بجائے اس کو ہر انقلاب کا ایک ناگزیر نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں جو انقلاب رونما ہوا، اس کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ کوئی ایک واقعہ بھی ہم کو ایسا نہیں ملتا کہ کسی کے ناموس پر دست درازی ہوئی ہو۔

اہلِ سیاست کے لیے طمطراق بھی سیاست کے لوازم میں سے سمجھا جاتا ہے۔ جو لوگ عوام کو ایک نظام میں پرونے اور ایک نظمِ قاہرہ کے تحت منظم کرنے کے لیے اٹھتے ہیں، وہ بہت سی باتیں

اپنوں اور بیگانوں پر اپنی سطوت جمانے اور اپنی ہیبت قائم کرنے کے لیے اختیار کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ ساری باتیں ان کی سیاسی زندگی کے لازمی تقاضوں میں سے ہیں۔ اگر وہ یہ باتیں نہ اختیار کریں گے تو سیاست کے جو تقاضے ہیں وہ ان کے پورے کرنے سے قاصر رہ جائیں گے۔ اسی طرح کے مقاصد کے پیشِ نظر جب وہ نکلتے ہیں تو بہت سے لوگ ان کے جلو میں چلتے ہیں۔ جہاں وہ ظاہر ہوتے ہیں، ان کے نعرے بلند کرائے جاتے ہیں۔ جہاں وہ اترتے ہیں، اُن کے جلوس نکالے جاتے ہیں جلسوں میں اُن کے حضور میں ایڈریس پیش کئے جاتے ہیں اور اُن کی شان میں قصیدے پڑھے جاتے ہیں جب وہ مزید ترقی کر جاتے ہیں تو ان کے لیے قصر و ایوان آراستہ کئے جاتے ہیں، اُن کو سلامیاں دی جاتی ہیں۔ اُن کے لیے بری و بحری اور ہوائی، خاص سواریوں کے انتظامات کیے جاتے ہیں۔ جب کبھی وہ سڑک پر نکلنے والے ہوتے ہیں تو سڑک دوسروں کے لیے بند کر دی جاتی ہے۔ اس زمانہ میں ان چیزوں کے بغیر کسی صاحبِ سیاست کا تصوّر نہ دوسرے لوگ ہی کرتے ہیں، اور نہ کوئی صاحبِ سیاست ان لوازم سے الگ خود اپنا کوئی تصوّر کرتا ہے لیکن ہمارے نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم اس اعتبار سے بھی دنیا کے تمام اہلِ سیاست سے الگ رہے۔ جب آپؐ اپنے صحابہؓ میں چلتے تو کوشش فرماتے کہ سب کے پیچھے چلیں۔ مجلس میں تشریف رکھتے تو اس طرح گھل مل کر بیٹھتے کہ یہ امتیاز کرنا مشکل ہوتا کہ محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کون ہیں۔ کھانا کھانے کے لیے بیٹھتے تو دوزانو ہو کر بیٹھتے اور فرماتے کہ میں اپنے ربّ کا غلام ہوں، اور جس طرح ایک غلام کھانا کھاتا ہے اسی طرح میں بھی کھانا کھاتا ہوں۔ ایک مرتبہ ایک بدّو اپنے اس تصوّر کی بنا پر، جو حضورؐ کے بارے میں اُس کے ذہن میں رہا ہوگا، سامنے آیا تو حضورؐ کو دیکھ کر کانپ گیا۔ آپؐ نے اُسے تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ ڈرو نہیں میری ماں بھی سوکھا گوشت کھایا کرتی تھی۔ یعنی جس طرح تم نے اپنی ماں کو بدویانہ زندگی میں سوکھا گوشت کھاتے دیکھا ہوگا، اُسی طرح سوکھا گوشت کھانے والی ایک ماں کا بیٹا میں بھی ہوں ــــ نہ آپؐ کے لیے کوئی سواری تھی، نہ کوئی قصر و ایوان، نہ کوئی خاص باڈی گارڈ تھا۔ آپؐ جو لباس دن میں پہنتے اسی میں شب میں استراحت فرماتے، اور تمام اہم سیاسی اُمور کے فیصلے فرماتے

یہ خیال نہ فرمائیے کہ اس زمانے کی بدویانہ زندگی میں سیاست اس طمطراق اور اس ٹھاٹ باٹ سے آشنا نہیں ہوئی تھی۔ جس طمطراق اور جس ٹھاٹ باٹ کی اب وہ عادی ہو گئی ہے۔ جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں، اُن کا خیال بالکل غلط ہے۔ سیاست اور اہلِ سیاست کی تاناشاہی ہمیشہ سے یہی رہی ہے فرق اگر ہوا ہے تو محض بعض ظاہری باتوں میں ہوا ہے۔ البتہ ہمارے نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ایک نئے

طرز کی سیاسی زندگی کا نمونہ دنیا کے سامنے رکھا، جس میں دنیوی کرّوفر کی بجائے خلافتِ الٰہی کا جلال اور ظاہری ٹھاٹ باٹ کی جگہ خدمت اور محبّت کا جمال تھا۔ لیکن اس سادگی، فقر اور دُرویشی کے باوجود اُس کے دبدبے اور اُس کے شکوہ کا یہ عالم تھا کہ روم و شام کے بادشاہوں پر اُس کے تصوّر سے لرزہ طاری ہوتا تھا۔

نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کی سیاست اور آپؐ کے تدبّر کا ایک اور پہلو بھی خاص طور پر قابلِ ذکر ہے کہ آپؐ نے اپنی حیاتِ مبارکہ ہی میں ایسے لوگوں کی ایک بہت بڑی جماعت بھی تربیت کر کے تیار کر دی جو آپؐ کے پیدا کردہ انقلاب کو اُس کے اصلی مزاج کے مطابق آگے بڑھانے، اُس کو مستحکم کرنے اور اجتماعی سیاسی زندگی میں اُس کے مقتضیات کو بروئے کار لانے کے لیے پوری طرح اہل تھے۔ چنانچہ اس تاریخی حقیقت سے کوئی شخص بھی انکار نہیں کر سکتا کہ حضورؐ کی وفات کے بعد اس انقلاب نے عرب سے نکل کر آس پاس کے دوسرے ممالک میں قدم رکھا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کرّۂ ارض کے تین برّاعظموں میں اُس نے اپنی جڑیں جما لیں اور اُس کی اس وسعت کے باوجود اُس کی قیادت کے لیے موزوں اشخاص و رجال کی کمی محسوس نہیں ہوئی۔ یہ نے جن تین برّاعظموں کی طرف اشارہ کیا ہے، اُن کے متعلق یہ حقیقت بھی ہر شخص جانتا ہے کہ اُن کے اندر وحشی قبائل آباد نہیں تھے، بلکہ وقت کی نہایت ترقی یافتہ جبّار و قہّار شہنشاہیتیں تھیں۔ لیکن اسلامی انقلاب کی موجوں نے جزیرۂ عرب سے اُٹھ کر اُن کو اُن کی جڑوں سے اس طرح اکھاڑ کر پھینکا گویا زمین میں اُن کی کوئی بنیاد ہی نہیں تھی۔ اور اُن کے ظلم و جور کی جگہ ہر گوشے میں اسلامی تہذیب و تمدّن کی برکتیں پھیلا دیں، جن سے دنیا صدیوں تک متمتّع ہوتی رہی۔

دنیا کے تمام مدبّرین اور اہلِ سیاست کی پوری فہرست پر نگاہ ڈال کر غور کیجیے کہ اُن میں کوئی شخص بھی ایسا نظر آتا ہے، جس نے اپنے دو چار ساتھی بھی ایسے بنانے میں کامیابی حاصل کی ہو جو اس کے فکر و فلسفے اور اس کی سیاست کے اُن معنوں میں عالم اور عامل رہے جن معنوں میں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بتائے ہوئے طریقے کے عالم و عامل ہزاروں صحابہؓ تھے؟

آخر میں ایک بات بہ طور تنبیہ عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کا اصلی مرتبہ اور مقام یہ ہے کہ آپؐ نبی خاتم اور پیغمبرِ عالم ہیں۔ سیاست اور تدبّر اس مرتبۂ بلند کا ایک ادنیٰ شعبہ ہے۔ جس طرح ایک حکمران کی زندگی پر ایک تحصیلدار کی زندگی کے زاویے سے غور کرنا ایک بالکل ناموزوں بات ہے، اس سے زیادہ ناموزوں بات شاید یہ ہے کہ ہم سیّدِ کونین صلّی اللہ علیہ وسلّم کی زندگی پر ایک ماہرِ سیاست یا ایک مدبّر کی زندگی کی حیثیت سے غور کریں۔ نبوّت اور رسالت ایک عظیم

بقیہ صـ ۴۷ پر

حافظ ابن کثیر دمشقیؒ

محترمہ جمیلہ شوکت صاحبہ

شعبۂ علومِ اسلامیہ جامعہ پنجاب

عماد الدّین ابو الفداء اسماعیل بن کثیر بن ضو بن کثیر القرشی، الدمشقی، الشافعی بصری کی ایک بستی مجدل میں ۷۰۰ ھ میں پیدا ہوئے[1]۔ بقول ابن کثیر وہ ایک شریف اور نجیب خاندان سے تعلّق رکھتے تھے۔ ان کے والد شہاب الدین صاحبِ علم اور ممتاز خطیب تھے۔ نیز وہ کہتے ہیں کہ والد کثیر العیال ہونے کے باوجود اپنے بچّوں کی تربیت و تعلیم کی طرف پوری توجّہ دیتے تھے[2]۔ ابنِ کثیر ابھی تین برس کے تھے کہ والد کے مشفقانہ سایہ سے محروم ہوگئے[3] اور اپنے دیگر بھائیوں کی طرح والد سے استفادہ نہ کرسکے۔ والد کی وفات کے بعد بڑے بھائی نے اپنی کفالت میں لیا اور پھر ۷۰۶ھ میں وہ ابن کثیر کو دمشق لے آئے[4]۔

حافظ ابن کثیر نے تعلیم کا آغاز اپنے بھائی کے پاس کیا ۷۱۱ھ میں قرآن کے حفظ سے فارغ ہوئے اور پھر دیگر علوم تفسیر، حدیث، فقہ، نحو اور قراءت وغیرہ کی تحصیل کی اور ہم عصر علمائے اجل سے استفادہ کیا[5]۔ تحصیل علم کے بہت زیادہ شائق تھے۔ قوّتِ

---

[1] شذرات الذہب ۶ : ۲۳۱، الدرر الکامنہ ۱: ۳۷۴، اعلام ۱: البدر الطالع ۱: ۱۵۳، انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ۲ : ۳۹۳۔ عمدۃ التفسیر ۱: ۲۳۔ بعض مؤلفین سن پیدائش ۷۰۱ یا مابعد بتاتے ہیں لیکن ابن کثیر کی اپنی روایات کی روشنی میں ۷۰۰ھ یا اس سے کچھ قبل قرینِ صواب معلوم ہوتا ہے

[2] البدایہ والنہایہ ۱۴ : ۳۱-۳۲۔ [3] البدایۃ والنہایہ ۱۴: ۳۲، ۱۴۹، عمدۃ التفسیر ۱: ۲۲ [4] شذرات الذہب ۶ : ۲۳۱ صاحب الاعلام نے والد کا ذکر کیا ہے جو غلط ہے الاعلام [5] البدایۃ والنہایۃ ۱۴: ۳۲

حافظہ بھی ضرب المثل تھی جیسا کہ ابن العماد فرماتے ہیں :- کان کثیر الاستحضار قلیل النسیان جید الفہم[۶۶] - اساتذہ میں سے حافظ جمال الدین یوسف بن عبدالرحمن مزّی سے بہت زیادہ استفادہ کا موقعہ ملا- استاد ان کی ذہانت و فطانت اور دیانت و تقویٰ سے اس قدر متاثر ہوئے کہ اپنی صاحبزادی اس شاگرد کے عقد میں دے دی[۶۷]- دوسرے استاد جن سے ابن کثیر کو قلبی تعلق تھا علامہ ابن تیمیہؒ تھے - ابن کثیر کو ان سے اس قدر شیفتگی اور تعلق خاطر تھا کہ ان کی بعض آراء کا بھی اتباع کیا کرتے تھے جس کی وجہ سے استاد کے ساتھ شاگرد نے بھی تکالیف برداشت کیں[۶۸]-

حافظ ابن کثیر تحصیلِ علم کے بعد درس و تدریس کے کام میں مصروف ہوگئے اور بہت جلد مرجع خلائق بن گئے اور ان کا شمار چوٹی کے علماء میں ہونے لگا- ابن کثیر کی تبحر علمی کا اندازہ ان اقوال سے کیا جاسکتا ہے جو ان کے ہم عصر علماء، تلامذہ اور متاخرین علماء نے ان کی جلالتِ علمی کے اعتراف میں کہے ہیں - ان کے ایک ہم عصر عالم علامہ ذہبی فرماتے ہیں : لہ عنایۃ بالرجال والمتون والفقہ خرّج وناظر و صنف وفسّر وتقدّم[۶۹] ابن حجر نے بھی ذہبی کا ایک اور قول نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں : کان الامام المفتی المحدّث البارع فقیہ متفنن، محدث متقن مفسر نقّال[۷۰]- ان کے ایک شاگرد ابن حجی کا قول ہے : کان احفظ من ادرکناہ لمتون الاحادیث واعرفہم بتخریجہا ورجالہا وصحیحہا وسقیمہا وکان اقرانہ وشیوخہ یعترفون لہ بذلک[۷۱]- ایک اور شاگرد حافظ ابوالمحاسن الحسینی ان کی تعریف میں فرماتے ہیں : وافتی ودرّس وناظر وبرع فی الفقہ والتفسیر والنحو وامعن النظر فی الرجال والعلل[۷۲]

---

۶۶ شذرات الذہب ۶ : ۲۳۱ البدایہ ۱۴ : ۱۹۱

۶۷ شذرات الذہب ۶ : ۲۳۱، البدایہ ۱۴ : ۱۹۱، الدرر الکامنۃ ۱ : ۳۷۴، عمدۃ التفسیر ۱ : ۲۶

۶۸ شذرات الذہب ۶ : ۲۳۱، البدر الطالع ۱ : ۱۵۳، الدرر الکامنۃ ۱ : ۳۷۴، عمدۃ التفسیر ۱ : ۲۵ ۶۹ طبقات الحفاظ ۴ : ۲۹۰

۷۰ الدرر الکامنۃ ۱ : ۳۷۴ بحوالہ عمدۃ التفسیر ۱ : ۲۶

۷۱ ذیل تذکرۃ الحفاظ، ۵۸، مصر ۱۳۴۷ھ

ابن العماد ابن حبیب کا قول نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں : انتهت اليه رياسة العلم في التاريخ والحديث والتفسير[۱۳] علامہ عینی فرماتے ہیں : كان قدوة العلماء والحفاظ وعمدة اهل المعاني والالفاظ وسمع وجمع وصنّف ودرّس وحدّث وألّف وكان له اطلاع عظيم في الحديث والتفسير والتاريخ واشتهر بالضبط والتحرير وانتهى اليه علم التاريخ والحديث والتفسير[۱۴]۔

ابن کثیر دوسرے مذاہب سے بخوبی واقف تھے بالخصوص عقائدِ مسیحیّت سے ان کو خوب واقفیّت تھی۔ جیسا کہ احمد محمد شاکر بھی فرماتے ہیں : كان ابن كثير من اوسع العلماء اطلاعًا على أقوال اهل الملل والنحل وخاصة مذاهب المسيحيين[۱۵]

آخر یہ جلیل القدر عالم، مفسّر، محدّث، مؤرّخ اور فقیہ دمشق میں ۷۷۴ھ میں خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ اپنے استاد علامہ ابن تیمیہؒ کے جوار میں مقبرہ صوفیہ میں دفن کئے گئے[۱۶]۔

ابن کثیر نے مختلف موضوعات پر قلم اٹھایا لیکن ان کی زیادہ شہرت بطورِ محدّث مفسّر اور مؤرّخ کے ہے۔ ان کی کچھ کتب ناپید ہیں، بیشتر زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکی ہیں۔ ہر دور میں علماء نے ان کتب کی افادیّت و اہمیّت کو تسلیم کیا ہے۔ یہ کتب خود ان کی زندگی میں ہی مقبولیّت حاصل کر چکی تھیں جیسا کہ ابنِ حجر کہتے ہیں : سارت تصانيفه في البلاد في حياته وانتفع الناس بعد وفاته[۱۷]۔ قاضی شوکانی بھی اور علامہ عینی بھی ان کی تصانیف کی تعریف میں رطب اللسان نظر آتے ہیں[۱۸]۔ آئندہ صفحات میں صرف ان کی تفسیر کا اجمالی جائزہ پیش کیا جائے گا۔

تفسیر ابن کثیر | علامہ ابنِ کثیر کی تفسیر کا پورا نام "تفسیر القرآن العظیم" ہے

۱۳؎ شذرات الذهب، ۶ : ۲۳۱ ۔ ۱۴؎ النجوم الزاهرة ۱۱ : ۱۲۳

۱۵؎ عمدة التفسير ۱ : ۲۳ ۔ ۱۶؎ شذرات الذهب ۶ : ۲۳۲، كتاب الكنى والالقاب، ۱ : ۳۸۷ ۔ ۱۷؎ الدرر الكامنة ۱ : ۳۷۴

۱۸؎ البدر الطالع، ۱ : ۱۵۳

جو مؤلف کی نسبت سے تفسیر ابن کثیر کے نام سے اہل علم میں معروف ہے۔ یہ تفسیر مصر سے کئی بار چھپ چکی ہے۔

تفسیر ابن کثیر اپنی گوناگوں خوبیوں کی بنا پر ہر زمانے میں اہل علم میں مقبول رہی ہے۔ ابن العماد تفسیر کی تعریف میں کہتے ہیں: وقد جمع فیہ فأوعی ونقل المذاهب والاخبار والآثار وهو من احسن التفاسیر ان لم یکن احسنها[۱۹] حاجی خلیفہ رقم طراز ہیں: وهو کبیر فی عشر مجلدات فسّر بالاحادیث والآثار مسندة من اصحابها مع الکلام ما یحتاج الیه[۲۰]۔ جلال الدین سیوطی کا قول ہے: له التفسیر لم یؤلّف علی نمطه مثله[۲۱]۔ ان کے شاگرد ابوالمحاسن تفسیر کے بارے میں کہتے ہیں کہ: یہ تفسیر بالروایۃ کی عمدہ ترین کتاب ہے جس میں روایات کی اسانید کو جرح و تعدیل کے ساتھ درج کیا گیا ہے[۲۲]۔ محمد حسین الذہبی اور احمد محمد شاکر تفسیر ابن جریر کے بعد ابن کثیر کو دوسرا درجہ دیتے ہیں۔ احمد محمد شاکر فرماتے ہیں: فان تفسیر الحافظ ابن کثیر احسن التفاسیر التی رأینا واجودها وادقها بعد تفسیر امام المفسّرین ابی جعفر الطبری[۲۳]۔ پاک و ہند کے متقدمین و متاخرین مفسّرین نے بھی تفسیر کی تعریف کی ہے[۲۴]۔

ابن کثیر سلفی مفسّر ہیں اور ابن جریر کے مکتب فکر ہی سے تعلق رکھتے ہیں دونوں میں وجہ امتیاز صرف یہ ہے کہ علامہ ابن جریر نے اپنی تفسیر میں ایک ہی آیت کے ضمن میں متعدد روایات کو من وعن نقل کر دیا تو ابن کثیر نے بحیثیت ایک ماہر حدیث کے ان روایات کو جرح و تعدیل کی کسوٹی پر پرکھا۔ سو اگر یہ کہا جائے کہ ابن کثیر پہلے مفسّر ہیں جو روایات کو من وعن نقل کرنے کے بجائے ان پر تنقید کرتے اور صحیح و سقیم کے درمیان امتیاز کرتے نظر آتے ہیں تو بے جا نہ ہوگا۔ ابن کثیر کا صرف یہی کارنامہ اتنا عظیم ہے کہ جتنی تعریف کی جائے کم

۱۹؎ البدر الطالع ۱: ۵۳ ۲۰؎ کشف الظنون: ۱: ۴۳۹

۲۱؎ ذیل تذکرۃ الحفاظ، ۳۶ ۲۲؎ ذیل تذکرۃ الحفاظ، ۵۸۔

۲۳؎ التفسیر والمفسّرون، ۱: ۲۴۴، عمدۃ التفسیر ۱: ۵، مناہل العرفان، ۱: ۴۶۸، علوم القرآن، صبحی صالح ص: ۲۹۱ ۲۴؎ تفسیر حقانی مقدمہ، ۴۹، تفسیر ماجدی ج ۲: دیباچہ تفسیر: اکسیر فی اصول التفسیر صدیق حسن خان ۵۶: ۴۰

مؤلف نے مقدمہ میں اپنے اندازِ تفسیر کو واضح کر دیا ہے۔ وہ مقدمہ کا آغاز حمدِ باری تعالیٰ اور اُس کے بے پایاں احسانات کے ذکر سے کرتے ہیں۔ اس کے بعد بعثتِ انبیاء کا مقصد اور قرآن میں تدبر و تفکر کی اہمیت بتاتے ہیں، اس کے بعد سلف صالح کے مسلک پر عمل کرتے ہوئے قرآن کی تفسیر کے بہترین طریقوں کی وضاحت کرتے ہیں۔

ابن کثیر جب کسی آیت کی تفسیر و تشریح کرتے ہیں تو سب سے پہلے اس کی تفسیر قرآن حکیم میں تلاش کرتے ہیں اور اپنے استاد ابن تیمیہؒ کے قول کے مطابق اس طریق کو بہترین طریقہ قرار دیتے ہیں، کہتے ہیں: اصح الطرق فی التفسیر ان یفسّر القرآن بالقرآن فما اجمل فی مکان قد بسط فی موضع آخر[۲۵] ان کی تفسیر میں اس قسم کی تفسیر کی بے شمار مثالیں ہیں۔ وہ آیت: صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ[۲۶] کی تشریح آیت مَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا[۲۷] سے کرتے ہیں[۲۸]

آیت: هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ[۲۹] کی تفسیر وہ آیت: يَخْلُقُكُمْ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ خَلْقًا مِنْ بَعْدِ خَلْقٍ فِي ظُلُمَاتٍ ثَلَاثٍ[۳۰] سے کرتے ہیں[۳۱]۔

اگر قرآن کی تفسیر قرآن میں نہ ملے تو وہ سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ جس کی وضاحت وہ مقدمہ میں فرماتے ہیں: فان اعیاك ذلك (یعنی تفسیر القرآن بالقرآن) فعلیك بالسنة فانها شارحة للقرآن وموضحة له وہ اپنے اس قول کی تائید میں آیاتِ قرآنیہ اور احادیث بھی پیش کرتے ہیں[۳۲]

ابن کثیر اپنی تفسیر کی توضیح احادیث سے جا بجا کرتے نظر آتے ہیں مثلاً: لن تنالوا البر حتّٰی تنفقوا مما تحبون[۳۳] کی تشریح کے لیے متعدد احادیث پیش کرتے ہیں۔ جن میں "البر" سے مراد جنت لیے گئے ہیں۔

---

۲۵ مقدمہ تفسیر ابن کثیر ۱: ۳ ۲۶ الفاتحہ ۲۷ النساء، ۶۹۔
۲۸ تفسیر ابن کثیر ۱: ۲۸ ۲۹ آل عمران، ۶ ۳۰ الزمر، ۶
۳۱ تفسیر ابن کثیر ۱: ۴۳۴ ۳۲ مقدمہ تفسیر ابن کثیر ۱: ۳

حافظ ابن کثیر مقدمہ میں رقم طراز ہیں کہ اگر کسی آیت کی تفسیر قرآن وسنت دونوں میں نہ ملے تو اقوالِ صحابہؓ کی طرف رجوع کرنا چاہیئے: فانھم ادری بذلک لما شاھدوا من القرائن و الاحوال التی اختصوابھا ولما لھم من الفھم التام والعلم الصحیح والعمل الصالح لاسیما علماءھم وکبراءھم کالائمۃ الاربعۃ الخلفاء الراشدین والائمۃ المھتدین المھدیین عبداللہ ابن مسعود .... وعبداللہ ابن عباس وغیرھم[۳۴]۔

ان کی تفسیر میں اقوال صحابہ کرام سے تفسیر کرنے کی بے شمار مثالیں موجود ہیں حافظ ابن کثیر اقوالِ صحابہؓ کے بعد اقوال تابعین کو اہمیت دیتے ہیں، فرماتے ہیں: اذا لم تجد التفسیر فی القرآن ولا فی السنۃ ولا وجدتہ عن الصحابۃ فقد رجع کثیر من الائمۃ فی ذلک الی اقوال التابعین کمجاھد وسعید بن جبیر وغیرھم[۳۵] لیکن وہ صرف ان اقوال تابعین اور تبع تابعین کو حجت مانتے ہیں، جن پر ان کا اتفاق ہو: لایکون حجۃ علی غیرھم ممن خالفھم وھذا صحیح، أما إذا اجمعوا علی الشیٔ فلا یرتاب فی کونہ حجۃ فان اختلفوا فلا یکون قول بعضھم حجۃ علی قول لبعض ولا علی من بعدھم ویرجع فی ذلک الی لغۃ القرآن أو السنۃ أو عموم لغۃ العرب أو اقوال الصحابۃ فی ذلک[۳۶]۔

ابن کثیر نقلی مفسر ہونے کے ساتھ بحیثیت عقلی مفسر کے بھی نظر آتے ہیں۔ وہ اپنی تفسیر میں بعض روایات کو ایک دوسرے پر ترجیح دیتے نظر آتے ہیں لیکن محض رائے سے تفسیر کرنا حرام سمجھتے ہیں: فأما تفسیر القرآن بمجرد الرأی فحرام۔

اسرائیلیات سے روایت کے بارے میں ابن کثیر بڑے متشدد ہیں۔ جہاں کہیں وہ ان روایات و قصص کو بیان کرتے ہیں تو عام طور پر اس کے سقم کی طرف بھی اشارہ کر دیتے ہیں۔ وہ اسرائیلیات کے ضمن میں اپنے مقدمہ میں ان احادیث کا ذکر کرتے ہیں۔ جن سے ائمہ نے اسرائیلی قصص و روایات کو جائز قرار دیا ہے لیکن وہ فرماتے ہیں

---

[۳۴] مقدمہ تفسیر ابن کثیر ۱: ۳ [۳۵] مقدمہ تفسیر ابن کثیر ۱: ۴، ۵۔

[۳۶] مقدمہ تفسیر ۱: ۵۔ [۳۷] مقدمہ تفسیر ۱: ۵، ۶

کہ ان واقعات کے بیان کرنے کا مقصد قرآن سے مستفاد مفہوم کو مؤکد کرنے کے لیے ہوتا ہے نہ کہ اس لیے کہ ان پر اندھا دھند اعتماد کیا جائے۔ کہتے ہیں: هذه الاحاديث الاسرائيلية تذكر للاستشهاد لا للاعتماد[۵۳۸]۔ فرماتے ہیں کہ مفسرین صحابہؓ مثلاً عبداللہ بن عباسؓ وغیرہ نے بھی صرف ان روایات کو بیان کیا ہے جو شریعت اور عقائد کے منافی و متصادم نہیں۔ ابن کثیر محض گواہی اور استشہاد کے طور پر اسرائیلیات پر اعتماد کو جائز قرار دیتے ہیں۔ ان کا نظریہ یہ ہے کہ کسی آیت کے ضمن میں تمام اختلافی اقوال بیان کر دیے جائیں اور پھر صحیح و غیر صحیح سے خبردار کر دیا جائے اور اختلاف کا فائدہ بھی بیان کر دیا جائے۔ جو شخص اختلاف بیان کرتے ہوئے تمام اقوال بیان نہیں کرتا، ابن کثیر اس کو موردِ الزام ٹھہراتے ہیں۔ اسرائیلیات کے ضمن میں اپنا موقف بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: والذي نسلكه في هذا التفسير الاعراض عن كثير من الاحاديث الاسرائيلية لما فيها من تضييع الزمان ولما اشتمل عليه كثير منها من الكذب المروج عليهم لانهم لا تفرقة عندهم بين صحيحها وسقيمها كما حرره الائمة المتقنون من هذه الامة[۵۳۹]۔

جب ہم ان کی تفسیر پر نظر ڈالتے ہیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ جب وہ اسرائیلیات کا ذکر کرتے ہیں تو وہ اس پر نقد و تبصرہ بھی کر دیتے ہیں، جیسا کہ آیت: فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ کی تفسیر میں اسرائیلی قصص کو بیان کیا ہے لیکن ساتھ یہ بھی کہہ دیتے ہیں: و فيه غرابة في سياقه۔

سورۂ ق کے ابتدائی حرف "ق" کے معانی بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: وقد روي عن بعض السلف انهم قالوا: ق جبل محيط بجميع الارض يقال له جبل قاف، وكأن هذا۔ والله اعلم۔ من خرافات بني اسرائيل التي اخذها عنهم بعض الناس لما رأى من جواز الرواية عنهم مما لا يصدق ولا يكذب وعندي أن هذا وامثاله واشباهه من اختلاق بعض زنادقتهم يلبسون به على الناس امر دينهم۔ آگے کہتے ہیں کہ شریعت نے ان روایات

---

۵۳۸ مقدمہ تفسیر، ۱: ۴۔ البدایہ والنہایہ ۱: ۶۔

۵۳۹ تفسیر ابن کثیر، ۳: ۱۸۱، ۱۸۲۔ ۵۴۰ تفسیر ابن کثیر، ۲: ۲۳۶

کو بیان کرنے کی اجازت کو محدود کیا ہے۔ لہٰذا جو روایت عقل کے خلاف ہو اس پر باطل ہونے کا حکم لگا یا جائے۔ قرآن حکیم کی تفسیر کے ضمن میں ایسے قصص و واقعات کو بیان کرنے کی الحمدللہ کوئی ضرورت نہیں۔ آیت : وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيَاطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمَانَ ..... وَمَا اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ[۴۱] کی تفسیر کے ضمن میں ہاروت و ماروت کے بارے میں اقوال بیان کرتے ہیں۔ پھر کہتے ہیں کہ ان روایات کو تابعین کی ایک جماعت نیز متقدمین و متاخرین مفسرین کی کثیر تعداد نے بیان کیا ہے۔ جبکہ اصل میں یہ قصہ بنو اسرائیل سے ماخوذ ہے کیونکہ اس قصے کی صحت کے سلسلے میں کوئی مرفوع حدیث نہیں۔ قرآن حکیم نے اس واقعہ کو اجمال کے ساتھ بغیر تفصیل و تشریح کے بیان کیا ہے لہٰذا قرآن حکیم میں جو کچھ بیان ہوا ہے ہم صرف اسی پر ایمان رکھتے ہیں[۴۳]۔

بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ابن کثیر اسرائیلی قصص کو بیان کرنے کے بعد اس کی صحت و سقم کی طرف اشارہ نہیں کرتے[۴۴]۔

ابن کثیر دورانِ تفسیر اشعارِ عرب سے بھی استشہاد کرتے ہیں اور ایسا بالعموم غریب الفاظِ قرآن کی تشریح و توضیح کے لیے کرتے ہیں، آیت : اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا[۴۵] کی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ صرف "ما" اور لفظ بعوضۃ کے متعلق نحویوں میں اختلاف ہے۔ ابن جریر "ما" کو موصولہ بتاتے ہیں۔ اور بعوضۃ کا اعراب اسی وجہ سے معرب ہونے کو ترجیح دیتے ہیں۔ کلامِ عرب میں اس قسم کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں جہاں وہ "من" اور "ما" کے صلہ کو انہی دونوں کا اعراب دے دیا کرتے ہیں۔ اس لیے یہ نکرہ اور معرفہ دونوں صورتوں میں ہوتے ہیں۔ استشہاد میں وہ حضرت حسانؓ بن ثابت کے قول کو پیش کرتے ہیں[۴۶]۔ بعض وقت وہ کسی واقعہ کی تائید کے لیے بھی شعر لاتے ہیں مثلاً آیت : واتخذوا من مقام ابراھیم مصلّی[۴۷] کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مقام سے مراد وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر سیدنا ابراہیم علیہ السلام خانۂ

---

۴۱ تفسیر ابن کثیر ۴ : ۲۲۱۔ ۴۲ البقرہ ۱۰۲۔

۴۳ تفسیر ابن کثیر ۱ : ۱۳۷۔ ۴۴ تفسیر ابن کثیر ۳ : ۱۴۵۔

۴۵ البقرہ ۲۶، ۱۲۶ ۴۶ تفسیر ابن کثیر : ۱ : ۶۴۔

۴۷ البقرہ : ۱۲۵۔

کعبہ کی تعمیر کرتے تھے اور حضرت ابراہیمؑ کی مساعدت ان کے صاحبزادے حضرت اسماعیلؑ کرتے تھے۔ جب وہ خانہ کعبہ کی ایک دیوار مکمل کر لیتے تو دوسری طرف دیوار بنانے منتقل ہو جاتے حتیٰ کہ خانہ کعبہ کی تعمیر مکمل ہو گئی۔ اس پتھر پر حضرت ابراہیمؑ کے قدموں کے نشانات واضح تھے حتیٰ کہ یہ نشان بہت بعد تک باقی رہے اور جاہلیت کے عرب ان نشانوں سے واقف تھے ابوطالب اپنے قصیدۂ لامیہ میں کہتے ہیں:[۴۸]

وموطئ ابراهيم في الصخر رطبة على قدميه حافيا غير ناعل

بعض وقت وہ موعظت و نصیحت کی خاطر بھی اشعار لاتے ہیں مثلاً آیت ویتفکرون فی خلق السموٰت کی تفسیر میں تدبر و تفکر کی اہمیت پر اقوال پیش کرتے ہیں اور پھر حسین بن عبدالرحمٰن کے اشعار بیان کرتے ہیں۔ جن میں مومن کے لیے غور و فکر اور عبرت حاصل کرنے پر زور دیا ہے۔[۴۹]

اسی طرح آیت: قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقَىٰ[۵۰] کی تفسیر میں دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کی طرف تحریص دلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دنیا کی زندگی تو ایسی ہے کہ جیسے کوئی سویا ہو اور اس نے خواب میں اپنی پسندیدہ چیز دیکھی ہو پھر جب وہ بیدار ہو تو کچھ بھی نہ ہو۔ اس ناپائیداری دنیا کی تائید وہ ابومصہر کے اشعار سے کرتے ہیں۔[۵۱]

ابن کثیر علم قراءات سے واقف تھے انہوں نے اپنی تفسیر میں بعض مختلف قراءتوں کا ذکر کیا ہے اور قراءتوں کے اختلاف سے معانی میں جو فرق پڑتا ہے اس کو بھی واضح کیا ہے۔

ابن کثیر علم فقہ اور اصولِ فقہ کے بھی جید عالم تھے۔ ان کی تفسیر سے بھی ان کی اس فن میں مہارت کا اندازہ ہوتا ہے۔ جب وہ کسی آیت کی تفسیر کرتے ہیں جس کا تعلق احکام و مسائل سے ہو تو وہ مختلف ائمہ کی آراء کا تذکرہ کرتے ہیں اور بعض وقت ایک ماہر فقیہ کی طرح خود اپنی رائے بھی پیش کرتے ہیں۔ آیت: حرمت علیکم امھٰتکم و بنٰتکم[۵۲] کی تشریح کرتے ہوئے زنا سے پیدا شدہ بیٹی کی حرمت کے بارے میں مختلف ائمہ کا مسلک بیان کرتے ہیں، کہتے ہیں: عن ابن عباس يحرم من النسب سبع و من الصهر سبع ثم قرأ حرمت عليكم امهاتكم ... الى ... بنات الاخت الخ فهن النسب وقد استدل جمهور العلماء على تحريم المخلوقة من ماء الزاني عليه بعموم قوله "وبنتكم" فانها

۴۸ تفسیر ابن کثیر، ۱: ۱۷۰ ۴۹ تفسیر ابن کثیر ۱: ۴۳۹

۵۰ النساء: ۷۷ ۵۱ تفسیر ابن کثیر ۱: ۵۲۶ ۵۲ النساء، ۲۳

یت فتدخل فی العموم کما ھو مذھب ابی حنیفۃ ومالك واحمد بن حنبل وقد حکی عن الشافعی فانھا لا ترث بالاجماع فکذلك لا تدخل فی ھذہ الآیۃ[۵۵۳]

آیت : فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ[۵۵۴] کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ بیماری یا سفر کی صورت میں روزہ افطار کرنے اور بعد میں گنتی پوری کرنے کی اجازت ہے پھر وہ اس آیت سے متعلق مسائل کا ذکر فرماتے ہیں مثلاً بعض صحابہؓ نے سفر کی صورت میں افطار کے وجوب کے قائل ہیں جبکہ بعض دوسرے سفر میں افطار کی نسبت روزہ کو بہتر سمجھتے ہیں۔ پھر اگلا مسئلہ قضا کا ہے کہ آیا قضا متواتر دنوں میں ہو یا درمیان میں وقفہ بھی کیا جاسکتا ہے۔ اس پر ائمہ کا مسلک اور مذہب بیان کرتے ہیں[۵۵۵]۔ آیات : اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ ... وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ[۵۵۶] کی احادیث اور اقوالِ صحابہؓ سے تفسیر کرنے کے بعد فقہی مسائل کا استنباط و استخراج کرتے ہیں خصوصاً خلع کے ضمن میں بڑی بسیط بحث کی ہے۔ ان آیات میں فقہی مسائل کو تین مسئلوں میں واضح کیا ہے

۱۔ خلع لینے والی عورت کی عدّت تین قروء ہے یا ایک۔ بعض صحابہ کرامؓ نے ایسی عورت کی عدّت تین حیض بتائی ہے جبکہ بعض دوسرے اس عورت کے لیے عدّت سے باہر آنے کے لیے ایک حیض کو کافی سمجھتے ہیں۔

۲۔ چاروں ائمہ اور جمہور علماء کے نزدیک خلع لینے والی عورت سے مرد اس کی رضامندی کے بغیر رجوع کا حق نہیں رکھتا۔ کیونکہ اس نے مال دے کر اپنے آپ کو آزاد کرالیا ہے۔ بعض دوسرے صحابہؓ کے نزدیک مرد کو بغیر عورت کی رضامندی کے دوران عدّت رجوع کا حق حاصل ہے۔

۳۔ تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ آیا اس عورت پر عدّت میں دوسری طلاق واقع ہوسکتی ہے یا نہیں ؟ اس مسئلہ میں علماء کے تین اقوال ہیں۔ (ا) ابن عباس اور امام شافعی وغیرہ کا قول ہے کہ دوسری طلاق غیر مؤثر ہوگی۔ (ب) امام مالک فرماتے ہیں کہ خلع کے ساتھ

---

۵۵۳ تفسیر ابن کثیر ۱ : ۴۶۹ ۵۵۴ البقرہ : ۱۹۶

۵۵۵ تفسیر ابن کثیر ۱ : ۲۱۶ - ۲۱۷ - ۵۵۶ البقرہ : ۲۲۹

بغیر خاموش رہے طلاق دے دے تو واقع نہیں ہوگی، ورنہ ہو جائے گی۔

(ج) تیسرا قول یہ ہے کہ جب تک وہ عورت عدّت میں ہے اس پر طلاق واقع ہوگی۔ امام ابوحنیفہ کا یہی مسلک[۵۷] ہے۔

تفسیر ابن کثیر میں علّامہ ابن کثیر بطور ایک محدّث، فقیہ، ادیب، مؤرّخ اور عالم قراءات اور نحوی نظر آتے ہیں۔ ان کی کتاب ایک عمدہ تفسیر ہونے کے پہلو بہ پہلو حدیث کے طالب علم کے لیے ایک راہنما کتاب ہے جیسا کہ احمد محمد شاکر فرماتے ہیں: فکتابہ۔ بجانب انہ تفسیر للقرآن ــ معلّم۔ و مرشد لطالب الحدیث۔ یعرف بہ کیف ینقد الأسانید و المتون، وکیف یمیّز الصحیح من غیرہ، فھو کتاب ــ فی ھذا المعنی۔ تعلیمی عظیم و نفعہ جلیل کثیر[۵۸]۔ ان کی تفسیر کی ایک اور خوبی جو جملہ محاسن پر حاوی ہے وہ زبان کا سادہ اور عام فہم ہونا ہے۔ جس سے ایک معمولی تعلیم یافتہ شخص بھی استفادہ کر سکتا ہے۔ انہوں نے دورانِ تفسیر فقہ اور نحو کے پُر پیچ مسائل سے حتی الامکان اجتناب کیا ہے اور اگر کہیں ان مسائل کو بیان کیا ہے تو نہایت عام فہم اور سادہ سی زبان میں۔

تفسیر ابن کثیر اپنی ان خوبیوں اور فنی محاسن کی بنا پر اطرافِ عالم میں ہر دور میں مقبول رہی ہے اور بعض ممالک کے مدارس میں اس کے کچھ حصّے بطورِ نصاب شامل رہے ہیں۔ اس تفسیر سے استفادہ کو اور زیادہ سہل اور آسان بنانے کے لیے عصرِ حاضر میں اس کے اختصار بھی تحریر کیے گئے ہیں جن میں احمد محمد شاکر کا اختصار "عمدۃ التفسیر" کے نام سے عوام میں بڑا مقبول ہوا ہے۔ دوسرا اختصار محمد علی الصابونی کا ہے جو انہوں نے مختصر تفسیر ابن کثیر کے نام سے لکھا۔ یہ بیروت سے ۱۳۹۳ھ / ۱۹۷۳ء میں چھپ چکا ہے۔

---

۵۷ تفسیر ابن کثیر ۱: ۲۷۶ ۵۸ عمدۃ التفسیر، ۱: ۶

فرمانِ نبویؐ

"بَلِّغُوا عَنِّیْ وَلَوْ اٰیَۃً"

"پہنچاؤ میری جانب سے خواہ ایک ہی آیت"

ڈاکٹر اسرار احمد

ایک نشستی تقریر

مطالعۂ قرآن

سورۂ توبہ کے دوسرے رکوع کی روشنی میں

سورۂ توبہ یا سورۂ براءت کے دوسرے رکوع کے مضامین کو سمجھنے کے لیے پہلے اس کے زمانۂ نزول کی تعیین لازمی ہے۔ عام طور پر لوگوں کو یہ مغالطہ لاحق ہوا ہے کہ سورۂ توبہ نزول کے لحاظ سے صرف تین حصوں پر مشتمل ہے یعنی پہلا حصہ جو ابتدائی پانچ رکوعوں پر مشتمل ہے اور ذی قعدہ ۹ھ میں حج سے متصلاً قبل نازل ہوا، دوسرا حصہ جو ساتویں، آٹھویں اور نویں رکوعوں پر مشتمل ہے اور پہلے حصہ سے تقریباً پانچ ماہ قبل رجب ۹ھ میں سفر تبوک سے قبل نازل ہوا۔ اور تیسرا اور آخری حصہ جو بقیہ سورت پر مشتمل ہے اور سفر تبوک سے واپسی پر نازل ہوا۔ حالانکہ بنظر غائر مطالعہ کیا جائے تو زمانۂ نزول کے اعتبار سے پہلا حصہ بھی دو اجزاء پر منقسم ہے یعنی پہلے، چوتھے اور پانچویں رکوع کی آیات جو ذی قعدہ ۹ھ ہی میں نازل ہوئیں ——— اور دوسرے اور تیسرے رکوع کی آیات جن کا زمانۂ نزول صلح حدیبیہ کے بعد لیکن فتح مکہ سے قبل کا کوئی وقت ہے ——— اس لیے کہ ان میں مشرکین کے ساتھ جس معاہدے کا ذکر ہے اس کے بارے میں داخلی شواہد کے علاوہ حبر الامۃ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا واضح اور صریح قول بھی موجود ہے کہ اس سے مراد صلح حدیبیہ ہے۔

زمانۂ نزول کی تعیین کے بعد اب ذرا اس دور کے حالات پر بھی نگاہ ڈال لینی چاہیے۔ ۵ھ میں غزوۂ احزاب کے فوراً بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے، عرب میں حق و باطل کی کشمکش کے جس نئے دور کا آغاز ہو رہا تھا اس کی طرف ان الفاظ میں اشارہ فرما دیا تھا کہ "یہ آخری بار تھی کہ قریش ہم پر چڑھ کر آئے۔ اب ابتداء ہماری جانب سے ہو گی!" ———

یہی وہ 'اقدامی' انداز تھا جس کا مظہر مکہ کا وہ سفر ہے جو آپ نے ۶ ہجری میں اختیار فرمایا اور جس کے نتیجے میں حرم کے جوار میں معاہدۂ حدیبیہ ضبط تحریر میں آیا۔ یہ معاہدہ گویا ایک علامت بن گیا، اس حقیقت کے لیے کہ بالآخر قریش مکہ نے مسلمانوں کی قانونی و اخلاقی یا باصطلاح جدید دستوری حیثیت کو تسلیم کر لیا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے اسے فتح مبین قرار دیا۔

فطری طور پر اس کا اثر عرب کے تمام قبائل پر یہ پڑا کہ اب جبکہ عرب کی سب سے

بڑی قوت یعنی قریش نے گھٹنے ٹیک دیئے ہیں تو عافیت اسی میں ہے کہ جلد از جلد سب ہی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مصالحت کی کوئی صورت پیدا کر لیں۔ اُدھر آنحضور کا دستِ مبارک حالات کی نبض پر تھا اور آپ ڈیڑھ دو سال قبل ہی واضح فرما چکے تھے کہ اب مشرکین اور کفار میں قوتِ مقاومت موجود نہیں ہے۔ اِن حالات میں ظاہر ہے کہ اُن سے معاہدے کرنے کا مطلب یہ ہوتا کہ کفر اور شرک کو خواہ مخواہ مزید مہلت دی جائے اور اللہ کے دین کے غلبہ کی تکمیل کو بلاوجہ مؤخر کر دیا جائے۔ اِدھر یہ بات بھی بادنیٰ تأمّل سمجھ میں آسکتی ہے کہ صلح جُو اور امن پسند لوگ ہر معاشرے اور جماعت میں موجود ہوتے ہیں اور بالخصوص مسلمانوں میں تو غالب اکثریت کا اسی مزاج کا حامل ہونا عین قرینِ قیاس ہے۔ ایسے حضرات کے لیے اپنی افتادِ طبع کے اعتبار سے معاہدے کی کسی بھی پیش کش کو کسی بھی حال میں کسی بھی وجہ سے رد کرنا ناقابلِ قیاس ہوتا ہے۔ اور اصل میں یہی وہ عقدہ ہے جسے سورۂ توبہ کے دوسرے رکوع کی آیات میں کھولا گیا ہے۔ چنانچہ ایسے لوگوں کو بتایا گیا ہے کہ اوّل تو شرک و توحید اور حق و باطل کے مابین بقائے باہمی یعنی ——— (CO-EXISTENCE) کا کوئی تصور ویسے ہی خارج از بحث ہے۔ ثانیاً تم مشرکین کے الفاظ کے بجائے ان کے کردار کو دیکھو اور ان کی چکنی چپڑی باتوں پر مت جاؤ بلکہ اُن کے کرتوتوں کو یاد کرو! کیا یہ وہی نہیں ہیں جنھوں نے ایڑی چوٹی کا زور حق کی راہ روکنے میں صرف کیا۔ اور اس معاملے میں نہ کسی قرابت کا کوئی لحاظ کیا نہ قول و قرار اور عہد و ذمّہ کا۔ پھر کیا یہی نہیں ہیں جنھوں نے حضورؐ کو مکہ سے نکالا اور پھر انہیں مدینہ میں بھی چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ بلکہ حملوں اور جنگوں کا ایک غیر مختتم سلسلہ شروع کر دیا ——— اب جبکہ حالات کا پانسہ پلٹ گیا ہے تو وہ معاہدوں کی چھاؤں میں پناہ چاہتے ہیں اُن کے فریب میں مت آؤ اور ان سے قتال کرو۔ اللہ تعالیٰ اُنہیں اُن کے کفر و اعراض کی سزا تمھارے ہاتھوں دے گا۔ اور ان مسلمانوں کے قلوب کو ٹھنڈک عطا فرمائے گا جو اُن کے مظالم کی چکیوں میں پستے رہے ہیں ——— آخر میں ایک مسلمانوں کی جماعت کے فضیحۃ کا لمسٹ عنصر یعنی منافقین کے نفاق کا پردہ چاک کر دیا گیا۔ وہ جنگ و قتال سے موت کے خوف کے باعث تو گریزاں رہتے ہی تھے، اب ایک نیا مرحلۂ امتحان یہ پیش آیا کہ حق کی تلوار اب اہلِ کفر و شرک سے رشتہ داریوں، قرابتوں، محبتوں، دوستیوں اور درپردہ تعلقات کے جملہ بندھنوں کو کاٹنے کے لیے بے نیام ہوا چاہتی تھی ——— چنانچہ واشگاف الفاظ میں فرما دیا گیا کہ یہ امتحان تو اب سر پر آہی گیا ہے، اِس سے گریز کی کوئی راہ موجود نہیں ہے۔ اگر کسی نے یہ سمجھا تھا کہ اس سے گزرے بغیر چھٹکارا ہو جائے گا تو یہ اُس کے اپنے فہم کا قصور تھا ———

اس تشریح کے بعد آیات کا ترجمہ سماعت فرمائیے، انشاء اللہ ہر نقطہ خود بولتا محسوس ہوگا:-

"کیسے ممکن ہے کہ مشرکین کا کوئی عہد ہو اللہ اور اس کے رسول سے، سوائے اُن کے جن سے تم نے معاہدہ کیا تھا مسجدِ حرام کے قرب وجوار میں، تو جب تک وہ خود اس پر قائم رہیں تم بھی قائم رہو۔ اس لیے کہ اللہ کو متقی ہی محبوب ہیں ——— آخر ان سے کوئی عہد ہو تو کیسے؟ جب کہ واقعہ یہ ہے کہ اگر کہیں انہیں تم پر غلبہ حاصل ہو جائے تو وہ تمہارے معاملے میں نہ کسی قرابت کا پاس کریں نہ عہد کا۔ وہ صرف اپنی زبانوں سے تمہیں راضی کر لینا چاہتے ہیں، حالانکہ اُن کے دل انکاری ہیں اور ان کی اکثریت بدعہدوں پر مشتمل ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اللہ کی آیات کے عوض حقیر سی قیمت قبول کر لی ہے اور اللہ کی راہ سے خود بھی محروم ہو کر رہ گئے ہیں اور دوسروں کو بھی روکنے کا باعث بنے ہیں۔ حقیقت میں بہت ہی بُرا ہے جو کچھ وہ کر رہے ہیں۔ کسی مومن کے معاملے میں انہیں نہ کسی قرابت کا پاس رہ گیا ہے نہ قول و قرار کا لحاظ! اور کسی بھی حد سے تجاوز ان سے بعید نہیں! پھر بھی (اُن پر اللہ کا یہ کرم ہے کہ) اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو تمہارے دینی بھائی بن جائیں گے اور ہم اپنی آیات کی تفصیل کر رہے ہیں ان لوگوں کے لیے جو جاننے کے خواہش مند ہوں۔

اور اگر عہد کرنے کے بعد یہ خود اسے توڑ دیں اور تمہارے دین پر حملہ آور ہوں تو تم کفر کے ان سرخیلوں سے بھی جنگ کرو۔ اُن کے باز آنے کی کوئی توقع اگر ہے تو صرف اسی صورت سے۔ ورنہ اُن کے قول و قرار کا تو کوئی بھروسہ نہیں! ——— تو کیا تم نہ لڑو گے ان لوگوں سے جنہوں نے اپنے سارے عہد بالائے طاق رکھ دیئے ——— اور رسول کو نکالنے کی جسارت کی، اور پھر خود ہی جنگ اور قتال کے سلسلے کا آغاز بھی کیا ——— کیا تم ان سے ڈرتے ہو؟ اگر تم واقعتہً مومن ہو تو تمہیں تو اللہ ہی سے ڈرنا چاہیئے۔ جنگ کرو، اللہ تمہارے ہاتھوں انہیں عذاب بھی دے گا اور رُسوا بھی کرے گا۔ اور اپنی مدد کے ذریعے تمہیں ان پر غالب کر دے گا اور اہلِ ایمان کے ایک گروہ کا کلیجہ ٹھنڈا کرے گا اور ان کے دلوں کی جلن کو دُور کرے گا اور (مزید برآں) جسے چاہے گا توبہ کی توفیق بھی مرحمت فرما دے گا۔ اللہ سب کچھ جاننے والا بھی ہے اور حکمت والا بھی ——— کیا تم نے یہ گمان کر رکھا تھا کہ

بقیہ صـ ۵۲ پر

ڈاکٹر شیر بہادر خان پنی

ابوالکلامیات

[سه حکایت از قدِ آں یارِ دلنواز کنیم
بایں فسانہ مگر عمرِ خود دراز کنیم

مجھے خاندانی ماحول اور ذاتی رجحان کی وجہ سے مذہبی جذبہ و فکر ملا۔ علماءِ کرام سے ہمیشہ عقیدت رہی۔ مذہبی، ادبی و تاریخی تصنیفات کے مطالعہ سے خاص شغف رہا۔ میری ابتدائی زندگی کا زمانہ گہرے مذہبی ماحول کا زمانہ تھا۔ ہر اہلِ علم کی تصنیفات نے میری زندگی کو اپنے رنگ میں رنگا۔ لیکن آخر کار اس رنگ کو زیادہ مؤثر طور پر نکھارنے اور شوخ کرنے میں مولانا ابوالکلام آزاد کی تحریرات و تقریرات نے کام کیا۔ یہ رنگ آج تک قائم ہے اور ان کی ذات سے محبت بھی اسی طرح قائم ہے اور امتدادِ زمانہ سے اس میں کوئی فرق نہیں پڑا۔ جب تک وہ زندہ رہے ان کی ہر تحریر جمع کرتا رہا۔ ان کی تصانیف سب کی سب میرے پاس موجود ہیں اور اس چمنِ پُر بہار سے اپنے فکر و نظر کو تازہ کرتا رہا۔ اِن میں سے بعض تفسیری، علمی و ادبی جواہر پارے اپنی بیاض میں نقل کرتا رہا۔ اور اُن اشعار کو بھی جو وہ اپنی نثری شہ پاروں کی انگوٹھی میں بطورِ نگینہ جڑتے رہے۔ جو بڑے ہی پُر معنی اور نثر کے مضمون کو نکھارنے کا کام دیتے تھے، چاہتا ہوں کہ اپنی بیاض سے یہ جواہر پارے قارئینِ کرام 'میثاق' کی ضیافتِ طبع کے لیے بھیجتا رہوں۔ پہلی قسط درج ذیل ہے : —— شیر بہادر خاں پنی]

۱۔ "تاریخی واقعات کا تشابہ اکثر اوقات عہدِ ماضی یاد دلادیتا ہے۔ ایک زمانہ تھا جب چوتھی صدی ہجری کا سیاح ابوریحان بیرونی اسی سرزمینِ ہند میں فلسفہ و ہیئت کا درس لیتا تھا مگر جب سبق لے کر اٹھتا تھا تو زمین بار بار دھوئی جاتی تھی، کہ اجنبی کے بیٹھنے سے ناپاک ہو گئی ہے۔

پھر آٹھویں صدی کی تاریخِ ہند کا ایک صفحہ ہے جس میں مغربِ اقصیٰ کا جہانگیر سیاح ابنِ بطوطہ تغلق آباد کی دیواروں کے نیچے سے گزرا۔ اور یہ وہ زمانہ تھا کہ اسلامی تہذیب و تمدن اس سرزمین کے چپے چپے پر قبضہ کر چکا تھا۔"

۲۔ "خیالات و افکار کا پیدا کرنا آسان ہے، مگر خیالات و افکار کے بقاء و قیام کے لیے اشخاص کا پیدا کرنا مشکل ہے۔"

(اس سے اشارہ حضرت سید جمال الدین افغانیؒ اور ان کے شاگرد حضرت محمد عبدہ مصری کے

متعلق تھا۔ ش۔ب)

۳۔ "اسلام کی تاریخ میں فتنۂ تاتار سے بڑھ کر اور کوئی آفت نہیں آئی۔ ۷۰۲ھ میں جب قتلو خان نوّے ہزار فوج کے ساتھ شام پر حملہ آور ہوا تو علامہ ابن تیمیہؒ اپنے درس و تدریس کے حجرے میں مصروفِ تصنیف و تالیف تھے لیکن حملے کی خبر جوں ہی شائع ہوئی قلم کی نوک توڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے، اُس کو شمشیرِ جہاد کے قبضے سے بدل دیا۔"

۴۔ دو اشعار

"ہاں! رہِ عشق است کہ رفتن ندارد بازگشت

جُرم را ایں جا عقوبت ہست و استغفار نیست

مجھے یہ ڈر ہے دلِ زندہ، تو نہ مر جائے ٭ کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے!"

۵۔ "اے اخوانِ عزیز! جان دینا تو اسلام کا وہ عہد ہے جس کے بغیر وہ کسی کا ہاتھ ہی اپنے ہاتھ میں نہیں لیتا۔ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ط"

۶۔ پتھر میں سوراخ ہو جاتا ہے مگر جب دل پتھر کے بن جاتے ہیں تو ان کا پگھلنا محال ہے: فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً، وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ط اور کائناتِ انسانیت میں جتنی زندگی ہے، دل کے ناسوروں اور جگر کے زخموں ہی کے دم سے ہے۔ جب تک دل زخمی ہیں، رُوح تندرست ہے ؎

معمورۂ دے اگر ہست، باز گوے ٭ کیں جا سخن بہ ملکِ فریدوں نمے رود

۷۔ (مولانا مہر مرحوم نے سوال کیا تھا کہ آپ ہمیشہ اختتام پر سلام لکھتے ہیں، اس کی وجہ کیا ہے؟)

"تحریر میں بھی تحیۃ اولیٰ و مستحسن ہے جس طرح ملاقات میں، لیکن اس کا موزوں محل ابتداء میں ہے یا اختتام میں؟ اس بارے میں اختلاف ہوا۔ امام احمد بن حنبلؒ اختتام کے محل کو ترجیح دیتے ہیں اور یہی طریقہ مکتوباتِ نبویہؐ میں ملحوظ رہا ہے۔ میں بھی اکثر یہی طریقہ ملحوظ رکھتا ہوں۔ معہذا دوسرا طریقہ بھی معمول بہا ہے اور موجب ردّ و قدح نہیں!"

(مولانا مہر نے سوانح کے متعلق کچھ معلومات حاصل کرنی چاہیں تو لکھا):۔

اصل یہ ہے کہ اس معاملے کے لیے قدرتی راہ یہی ہے کہ موت کا انتظار کیا جائے۔ جب تک میری زندگی مجھ میں اور لوگوں کے درمیان حائل ہے، شاید وہ میرے لیے کچھ نہیں کر سکتے۔ یعنی میرے حالات

زندگی نہیں لکھ سکتے۔ صحیح وقت اس کا میرے بعد آئے گا، کیوں نہ اُس کا انتظار کیا جائے؟ جانسن باسول والی بات ٹھیک ہے لیکن ضروری نہیں کہ ہمیشہ پیش آئے۔"

(انگریزی زبان کے مشہور اہلِ قلم ڈاکٹر جانسن کے سوانح باسول نے ساتھ رہ کر مرتب کیے تھے)

۹- قبولیّتِ عوام کا فتنہ : .... افسوس یہی قبولیتِ عوام ہمیشہ علماء کے لیے سب سے بڑا فتنہ رہی۔ والد مرحوم فرماتے تھے، جب شاہ ولی اللہؒ کا انتقال ہوا اور شاہ عبدالعزیز مسندِ درس و ارشاد پر بیٹھے تو مولانا فخرالدین نے اُن کے سر پہ دستارِ فضیلت باندھی تھی۔ جب پگڑی باندھ چکے تو کانوں میں کہا، تمھارے والد بزرگوار کے دامن پہ ایک دھبّہ لگ چکا ہے، تمھارا کام یہ ہے کہ اُسے صاف کر دو۔ دھبّے سے مقصود شاہ صاحب کا مجتہدانہ مسلک اور تقلیدِ مذاہب سے انکار تھا۔ اس وقت تک وہابیّت وغیرہ کے تلقّب پیدا نہیں ہوئے تھے، نہ کوئی خاص جماعت اس مسلک کی ملک میں موجود تھی۔ اس لیے عامۃً علماء مختلف طریقوں سے اسے تعبیر کرتے تھے عام طور پر اعتزال کا تلقّب اختیار کر لیا گیا تھا۔ کہا جاتا تھا کہ شاہ ولی اللہ اعتزال کی طرف میلان رکھتے تھے۔ حالانکہ کجا معتزلہ و اعتزال اور کجا مشربِ اصحاب سلف و حدیث۔

بینهما مفاوز تنقطع فیها اعناق المطی !

بہرحال شاہ عبدالعزیز سے یہ درخواست کی گئی تھی، اور واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے پوری کر دی۔"

بقیہ تاریخ ساز مدبّر

عطیۂ الٰہی ہے۔ جب یہ عطیہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو بخشتا ہے تو وہ سب کچھ اُسے بخش دیتا ہے جو اس دنیا میں بخشا جا سکتا ہے۔ پھر حضورؐ تو صرف نبی ہی نہیں تھے بلکہ خاتم الانبیاء تھے۔ صرف رسولؐ ہی نہیں تھے بلکہ سیّدُ الرّسُل تھے۔ صرف اہلِ عرب ہی کے لیے نہیں بلکہ تمام عالم کے لیے مبعوث ہوئے تھے، اور آپؐ کی تعلیم و ہدایت صرف کسی خاص مدّت ہی کے لیے نہیں تھی بلکہ ہمیشہ باقی رہنے والی تھی اور یہ بھی ہر شخص جانتا ہے کہ حضورؐ کسی دینِ رُہبانیّت کے داعی بن کر نہیں آئے تھے، بلکہ ایک ایسے دین کے داعی تھے جو رُوح اور جسم دونوں پر حاوی اور دُنیا و آخرت دونوں کی حسنات کا ضامن تھا۔ بس میں عبادت کے ساتھ سیاست، دُرویشی کے ساتھ حکمرانی کا جوڑ محض اتفاق سے پیدا نہیں ہو گیا تھا بلکہ یہ عین اُس کی فطرت کا تقاضا تھا۔ جب صورتِ حال یہ ہے تو ظاہر ہے کہ حضورؐ سے بڑا سیاستدان اور مدبّر کون ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ چیز آپؐ کا اصلی کمال نہیں، بلکہ جیسا کہ میں نے عرض کیا، آپؐ کے

خطوط و آراء

مکرمی جناب ڈاکٹر صاحب ۔ السلام علیکم !

"آج کل جب کہ ہر طرف بجا طور پر اسلامی قوانین و معاشرت اور اسلامی اقدار کو اپنانے کا چرچا ہے ۔ میں ایک فروگذاشت کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں ۔ اگرچہ بظاہر یہ ایک معمولی سی بات نظر آتی ہے لیکن حقیقتاً اس کے اثرات دُور رس ہیں ۔ اور یہ فروگذاشت ہماری لاپرواہی پر کھلی دلیل ہے ۔ اس سے ہماری خود اعتمادی کو بھی ٹھیس پہنچتی ہے ۔

ہوتا یہ ہے کہ ہمارے اسلامی ملک کے مؤقر روزنامے اور ہفتہ وار اور ماہانہ جریدے اسلامی یا قمری مہینوں کی تاریخیں درج کرنے میں بے پرواہی سے کام لیتے ہیں ۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ اکثر اخبارات میں یہ تاریخیں مختلف ہوتی ہیں ۔ اس ضمن میں میں نے اخبارات کو ماہ ربیع الاوّل میں ایک مضمون اور اُن کی دی ہوئی قمری مہینہ کی متفاوت تاریخوں کی فوٹو سٹیٹ کاپیاں بھی ارسال کی تھیں (اب یہ آپ کی خدمت میں بھی ارسال کی جا رہی ہیں) مگر اس کا بھی کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا ۔ بلکہ ایسا ہوا کہ آئندہ ماہ بھی اس غلطی کا اعادہ ہوا یعنی ماہ ربیع الثانی میں تاریخوں میں پھر تفاوت پایا گیا ۔

مجھے معلوم ہے کہ قمری مہینوں کا آغاز چاند کے نکلنے سے ہوتا ہے اور عوام کو بعض اوقات فوری طور پر چاند کی یکم تاریخ کے تعین میں تھوڑی سی دقت ہوتی ہے ۔ مگر ہمارے ملک کے نامور صحافیوں اور ادیبوں کے لیے یہ کوئی مسئلہ نہیں ہونا چاہیئے ۔ ہم اس سلسلہ میں ریڈیو پاکستان کے اعلانات سے مدد لے سکتے ہیں بلکہ میں تو ریڈیو پاکستان کے کارپردازان کو داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ وہ اسلامی مہینوں کی تاریخ کو عیسوی اور بکرمی مہینوں کی تاریخوں پر مقدم رکھتے ہیں اور دراصل ہونا بھی ایسا ہی چاہیئے ۔ مثلاً ریڈیو پاکستان کی نشریات کا آغاز ہر روز اس طرح ہوتا ہے :

آج جمعرات ہے ، جمادی الاوّل کی ۲۲ تاریخ اور مئی کی ۱۲ تاریخ ہے ۔ اور پھر ایسا بھی ہے کہ اگر رؤیتِ ہلال کمیٹی عیدین کی طرح تھوڑی سی تکلیف کر کے ہر قمری مہینہ کی پہلی تاریخ کا اعلان کرے تو اس سے ہماری بین الاسلامی اور بین الاقوامی سُوجھ بُوجھ کا اندازہ ہوگا ۔ اور اقوامِ عالم میں ہماری

ساتھ بڑھے گی۔

مغربی دنیا میں کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ صحافی بھی عیسوی تاریخ غلط نہیں لکھے گا۔ بلکہ یوں بھی ہے کہ خود ہمارے ملک میں بھی عیسوی اور بکرمی تاریخیں غلط درج نہیں کی جاتیں۔ قمری مہینوں کی تاریخیں بھی تھوڑی سی توجہ سے ٹھیک ہو سکتی ہیں بشرطیکہ ہمیں اس امر کا احساس ہو کہ یہ غلطی ہمارے اسلامی اور قومی تشخص کے منافی ہے۔ یوں بھی ہم روزمرہ اخبارات میں صرافہ مارکیٹ، سٹاک ایکس چینج اور دوسری مارکیٹ کے ریٹ روزانہ اخبارات میں پڑھتے ہیں۔ ان سب میں یکسانیت ہوتی ہے اور وہ روزانہ ٹھیک ٹھیک یہ سب ریٹ حاصل کرتے ہیں۔ تو پھر اس ضروری اور اہم معاملہ میں ہماری غفلت اور لاپرواہی سمجھ سے بالاتر ہے۔ بے شک ذرا سی توجہ سے اس کا ازالہ ہو سکتا ہے۔" والسلام

ڈاکٹر اختر علی۔ ایم۔ بی۔ بی۔ ایس

مکتوب حکیم فیض عالم جامع مسجد محلہ مستریاں جہلم

محترم المقام ڈاکٹر صاحب مدظلہ

السلام علیکم! 'شمس الاسلام' والوں کی طرف سے جو کچھ ہوا، مَیں نے انہیں عرض کیا تھا کہ یہ سلسلہ چنداں خوشگوار نہیں۔ اس میں چند کلمات آپ کے متعلق بھی لکھے تھے، جن کا ایک فقرہ انہوں نے خطوط کے کالم میں نقل بھی کیا تھا۔

مجھے ذہنی طور پر سخت صدمہ ہوا تھا۔ الحمد للہ کہ 'میثاق' کے تازہ شمارہ میں جس انداز میں چند سطور لکھی گئی ہیں، میرے خیال میں کافی ہیں۔

"عزتِ رسولؐ" اور "شہادتِ ذوالنورینؓ" کی قیمتوں کے متعلق آپ کے ارشاد کی روشنی میں سطورِ ذیل عرض ہیں، شائع فرما دیجئے

رعایتی اعلان

"عزتِ رسولؐ" اور "شہادتِ ذوالنورین" کی قیمتوں کے متعلق ماہنامہ 'میثاق' جولائی ۱۹۷۷ء کے مشورہ کے مطابق عرض ہے کہ ہر دو کتب کے خواہش مند بارہ روپے بذریعہ منی آرڈر بھیج دیں۔ بذریعہ رجسٹرڈ پارسل کتب ارسال کر دی جائیں گی۔

ماہنامہ 'میثاق' کی توسیعِ اشاعت میں تعاون فرمائیے!

اسلام میں اجتماعیت

مولانا سید محمود الحسن

اسلام میں اجتماعیت | قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَوْ یَعْلَمُ النَّاسُ مَا فِی الْوَحْدَۃِ مَا سَارَ رَاکِبٌ بِلَیْلٍ اَبَدًا۔ (مسند احمد عن عبد اللہ بن عمر نمبر ۵۲۵۲)

:- جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر لوگوں کو معلوم ہوتا کہ اکیلا اور تنہا ہونے میں کیا کیا خرابیاں ہیں تو کوئی سوار رات کو کبھی بھی سفر نہ کرتا۔

تشریح :- کیونکہ تنہا سفر پر جانے سے طرح طرح کے حادثوں کا اندیشہ ہوتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر میں اکیلا رات بسر کرنے اور تنہا سفر کرنے سے روکا ہے۔

:- رات گزارنے اور سفر کرنے میں جب انفرادی حالت کو پسند نہیں کیا گیا تو دین کی اقامت کا کام انفرادی طور پر کیسے جائز ہو سکتا ہے۔ اس لیے دین پر عمل کرنے اور اسے غالب کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے وفادار بندے جماعت کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں۔

جماعت سے پیوستہ رہو | قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلَیْکُمْ بِالْجَمَاعَۃِ وَاِیَّاکُمْ وَالْفُرْقَۃَ فَاِنَّ الشَّیْطَانَ مَعَ الْوَاحِدِ وَھُوَ مِنَ الْاِثْنَیْنِ اَبْعَدُ مَنْ اَرَادَ بُحْبُوْحَۃَ الْجَنَّۃِ فَلْیَلْزَمِ الْجَمَاعَۃَ مَنْ سَرَّتْہُ حَسَنَتُہٗ وَسَاءَتْہُ سَیِّئَتُہٗ فَذٰلِکَ الْمُؤْمِنُ۔ (ترمذی، عن عمر، ابواب الفتن) : جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم جماعت سے چمٹے رہو، تفرقہ بازی سے بچو۔ تنہا آدمی پر شیطان حملہ آور ہوتا ہے اور دو آدمیوں سے بہت دور ہوتا ہے۔ جو شخص (قیامت کے دن) بہشت کے وسط میں رہنے کا ارادہ رکھتا ہو، وہ جماعت سے جدا نہ ہو۔ جس کا دل اپنی نیکی سے خوش ہو اور اپنے گناہ سے غمزدہ ہو وہ مومن ہے۔

تشریح :- مطلب یہ ہے کہ تم جماعت بن کر رہو، الگ الگ ہونے سے بچو۔ تنہا آدمی کو شیطان نہیں چھوڑتا۔ انفرادی زندگی کو پسند نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ انسان ہر قسم کی خوبیوں کا حامل ہونے کے باوجود شیطان کے پوشیدہ حملوں اور نفس کی حیلہ جوئیوں سے بچ نہیں سکتا۔ اگر اجتماعی فضا اس کے ساتھ تعاون نہ کرے۔ **جماعتی زندگیوں میں تعاونوا**

عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (تم نیکی اور تقویٰ کو قائم کرنے اور گناہ اور ظلم کو مٹانے کے لیے ایک دوسرے کے ساتھ بھرپور تعاون کرو) کی روح جماعت کے ہر فرد کو بھٹکنے سے بچالیتی ہے اور جماعت بحیثیت مجموعی ترغیب اور تنقید کی فضا میں ترقی کی منزلیں طے کرتی رہتی ہے۔

جماعت سے علیحدگی کا انجام | اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَدُ اللّٰهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ وَمَنْ شَذَّ شَذَّ اِلَى النَّارِ۔ (ترمذی عن ابن عمر ابواب الفتن) : جناب رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عليه وسلّم نے فرمایا جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہے (اللہ اس کی نگرانی کرتا ہے) جو شخص جماعت سے علیحدہ ہوا وہ تنہا رہ کر دوزخ میں گیا۔

تشریح :- اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام انفرادی زندگی کا قائل نہیں ہے۔ ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ اس جماعت کے ساتھ تعاون کرے جو دین کو قائم کرنے کے لیے کام کر رہی ہو۔ اگر ایسی جماعت موجود نہ ہو تو وہ خدا کے ہاں جوابدہ ہوگا۔ اگر اس نے اس غرض کے لیے جماعت نہ بنائی۔ ایک فرد اپنی بہترین سیرت اور ذہانت کے باوجود شیطان اور نفس کے فریب میں مبتلا ہو سکتا ہے۔ اس لیے اسلام میں انفرادی زندگی کی حوصلہ افزائی نہیں کی گئی۔ بلکہ مختلف اسلوب سے یہ بات ذہن نشین کرائی گئی ہے کہ تم دین کو قائم کرنے اور رکھنے کے لیے جماعت بن کر رہو۔ پوری جماعت مل جل کر شیطان کی راہ پر نہیں چل سکتی، اللہ اُسے بھٹکنے نہیں دیتا۔ باطل کے حملوں اور سازشوں سے اس کی حفاظت فرماتا ہے اور اس کی اَن دیکھی قوت و طاقت، جماعت کے اثر و رسوخ کو بڑھاتی رہتی ہے۔

انتخابِ امیر | اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا كَانَ ثَلٰثَةٌ فِيْ سَفَرٍ فَلْيُؤَمِّرُوْا اَحَدَهُمْ۔ (ابوداؤد عن ابی ہریرۃ، کتاب الجہاد) : جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا جب تین آدمی سفر پر نکلیں تو اپنے میں سے کسی ایک کو وہ امیر بنالیں

تشریح :- دین کی دعوت و تبلیغ کے لیے جدّ و جہد میں اجتماعی نظم اور امیر کا انتخاب تو عام سفر سے زیادہ اہم اور ضروری ہے۔ اس حدیث پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جماعت کے افراد اپنی مرضی سے امیر کا انتخاب کریں، نہ یہ کہ ایک شخص اپنے امیر ہونے کا اعلان کر دے اور لوگوں سے کہے تم مجھے اپنی جماعت کا امیر بنالو۔ ظاہر بات ہے کہ افرادِ جماعت اجتماعی معاملات کی باگ ڈور اُس آدمی کے ہاتھ میں دیں گے۔ جو علم، تقویٰ، معاملہ فہمی اور اصابت

رائے میں سب سے زیادہ بہتر ہو، کتاب و سُنّت میں گہری بصیرت رکھتا ہو، اس کی دیانتداری پر اعتماد کیا جا سکتا ہو، بلند اخلاق اور بے داغ سیرت رکھتا ہو۔

(ماخوذ از "انتخابِ حدیث"، تالیف مولانا سید محمود الحسن، ناشر مکتبہ اسحاقیہ کراچی ۲)

(بقیہ نشری تقریر از صہ ۴۴)

ایسے ہی چھٹکارا مل جائے گا۔ حالانکہ ابھی تو اللہ نے یہ ظاہر ہی نہیں فرمایا کہ کون ہیں وہ لوگ جنھوں نے جہاد کا حق ادا کیا اور اللہ، اُس کے رسول اور اہلِ ایمان کے سوا کسی کے ساتھ دلی دوستی کا رشتہ باقی نہ رہنے دیا —— اور اللہ باخبر ہے اُس سے جو تم کر رہے ہو!"

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ٥

انتخابِ حدیث

مرتبہ: سید محمود الحسن فاضل دیوبند

اس کتاب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاداتِ گرامی کو ایک ایسی مؤثر اور دلنشین تشریحات کے ساتھ مرتب کیا گیا ہے جس سے اصلاحِ باطن اور تزکیۂ نفس میں بڑی مدد ملتی ہے۔ یہ ایک بہترین تربیتی کورس ہے اُن نوجوانوں کے لئے جو خدا کی زمین پر خدا کے دین کو قائم کرنے کی جدوجہد کر رہے ہیں، اور یہ مشعلِ راہ ہے اُن داعیانِ حق کے لئے جو اللہ کی راہ میں اپنی جان و مال سے اللہ کے کلمہ کو بلند کر رہے ہیں۔

ہم نے اسے اپنی روایات کے مطابق نہایت اعلیٰ معیار پر شائع کیا ہے۔ $\frac{20\times30}{16}$ سائز کے ۴۰۰ صفحات۔ سفید کاغذ۔ آفسٹ کی طباعت۔ قیمت ۱۲ روپے

مکتبہ اسحاقیہ۔ جونا مارکیٹ۔ پھول چوک۔ کراچی ۲

انبیاء کرام کے طریقِ دعوت اور نہجِ انقلاب کے موضوع پر

دعوتِ دین اور اس کا طریقِ کار

صفحات ۲۱۲ مضبوط جلد اور خوشنما ڈسٹ کور کے ساتھ قیمت ۱۰ روپے

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن

۳۶ - کے ماڈل ٹاؤن لاہور (فون نمبر ۸۵۲۶۱۲)

ج - ر

حاصلِ مطالعہ

الفرقان لکھنؤ کے وفیات نمبر سے متعلق تأثرات

ماہنامہ الفرقان، لکھنؤ (بھارت) کا وفیات نمبر !!

برِّصغیر پاک و ہند میں دینی رسائل کے مطالعہ کا شوق رکھنے والا شاید ہی کوئی ایسا شخص ہو جو ماہنامہ 'الفرقان' سے ناواقف ہو، جو عرصہ چالیس سال سے جناب مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ العالی کی زیرِ ادارت طویل مدّت تک مراد آباد سے، اور اب کئی سالوں سے لکھنؤ سے شائع ہو رہا ہے۔ مولانا موصوف بھی برِّصغیر پاک و ہند ہی کی نہیں بلکہ عالمِ اسلام کی ایک معروف دینی و علمی شخصیت ہیں۔ بہت سی دینی کتابوں کے مؤلف و مصنف ہیں، جن میں "معارف الحدیث" کی (احادیثِ نبویؐ کا ایک نیا اور جامع انتخاب اُردو ترجمہ اور تشریح کے ساتھ) اشاعت مولانا موصوف کی ایک گراں قدر دینی خدمت ہے۔ یہ انتخاب چھ جلدوں پر مشتمل ہے اور ان منتخب احادیثِ نبویؐ میں اُمّت کی ہدایت کے لیے خاص رہنمائی کا سامان ہے۔ علاوہ ازیں مولانا موصوف کی تالیفات میں سے "اسلام کیا چاہتا ہے؟" "دین و شریعت" اور "قرآن آپ سے کیا کہتا ہے؟" اور "آپ حج کیسے کریں؟" بھی دینی و علمی لحاظ سے بہت ہی اعلیٰ و ارفع مقام رکھتی ہیں۔

مولانا موصوف اور ان کے جلیل القدر فرزند مولانا عتیق الرّحمٰن سنبھلی کے قلم سے "الفرقان" کے چالیس سالہ دَور میں مختلف اکابر علماء و زعماءِ اُمّت کے سانحۂ ارتحال پر جو تعزیتی شذرات شائع ہوئے ہیں، وہ وفیات نمبر میں جمع کر دیئے گئے ہیں۔ یہ نمبر ماہ اپریل ہی جون ۷۷ء کی اشاعتوں پر مشتمل ہے۔ اس کی ضخامت ۲۰۰ صفحات ہے اور قیمت پانچ روپے ہے۔

وفیات نمبر کیا ہے؟ اس کی خوبیوں اور افادیت کا احاطہ الفاظ میں ممکن نہیں۔ اس کے مطالعہ سے ایک طرف یہ بات سامنے آتی ہے کہ اس چودھویں صدی ہجری میں برِّصغیر پاک و ہند

پر اللہ تعالیٰ کا کتنا فضل اور انعام ان اکابر علماء اور عارفین باللہ کی صورت میں ہوا جن کی پاکیزہ زندگیوں کی ایک جھلک ان تعزیتی شذرات میں بیان ہوئی ہے جو ان زعماء کی وفات پر سپردِ قلم ہوئے ہیں۔ دوسری طرف یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس برِصغیر پاک و ہند میں اسلام کی نشأۃِ ثانیہ اور تجدید و احیائے دین کی جو داغ بیل ڈالی تھی، جو پودا بویا تھا اور جو نیو (بنیاد) رکھی تھی، اُس کو ہمارے علماء کس طرح خونِ پسینہ والی محنت سے سینچتے رہے ہیں ـــــ لہٰذا اس عاجز کی نظر میں 'الفرقان' کا یہ وفیات نمبر درحقیقت اُن مبارک ہستیوں کی وفات ہی کا تذکرہ نہیں ہے بلکہ ان کی سعیٔ جہد کا ایک مرقع ہے جنھوں نے اپنی زندگیاں اسلام کی نشأۃِ ثانیہ کے لیے کھپائی ہیں اور جن کی مساعی کا اصل ہدف جہاد فی سبیل اللہ، اور اصل نصب العین رضائے الٰہی کا حصول رہا ہے۔ !!

اس عاجز کے مطالعہ سے مولانا سیّد سلیمان ندوی رحمہ اللہ کی تالیف "یادِ رفتگاں" بہت پہلے گزر چکی ہے۔ جس میں وہ تعزیتی شذرات جمع ہیں جو مولانا مرحوم (نوّر اللہ قبرہٗ) کے قلم سے ماہنامہ "معارف" اعظم گڑھ میں شائع ہوئے تھے۔ ان میں سے صرف گنتی کے وہ حضرات شامل تھے۔ جن سے اس عاجز کو کبھی شرفِ ملاقات یا شرفِ دیدار حاصل ہوا تھا۔ اس کتاب میں اکثر و بیشتر ان حضرات کا تذکرہ ہے جن کا اس عاجز نے یا نام سُنا ہوا تھا یا اُن کی کوئی تصنیف و تالیف زیرِ مطالعہ رہی تھی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ 'الفرقان' کے وفیات نمبر کے مطالعہ سے اس عاجز کا دل بہت متأثر ہوا۔ بعض اکابر رحمہم اللہ علیہم کے تذکرے سے آنکھیں نم ہوگئیں اور بہت سی بھولی بسری باتوں کی یاد تازہ ہوگئی۔ بہت سے حضرات کی شکلیں آنکھوں کے سامنے آگئیں اور ذہن و قلب میں بہت سے وہ لمحات فلم کی طرح گزر گئے جو ان میں سے بعض بزرگوں کی صحبت میں بسر ہوئے تھے۔ وفیات نمبر میں جن اکابر کا ذکر ہوا ہے، ان میں سے حضرت مولانا مفتی کفایت اللہؒ۔ حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ۔ حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ۔ حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ۔ حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ۔ حضرت جی مولانا محمد یوسفؒ کی صحبت اٹھانے کی اس عاجز کو سعادت نصیب ہوئی ہے۔

'الفرقان' کا جولائی کا شمارہ بھی اس وقت زیرِ نظر ہے۔ یہ شمارہ دراصل وفیات نمبر ہی کا ضمیمہ یا تتمہ یا تکملہ ہے۔ اس میں ان چند دیگر اکابر کی وفات کے مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ العالی

کے تأثرات شامل ہیں جن کا ذکر وفیات نمبر میں رہ گیا تھا۔ ان بزرگ ہستیوں میں شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی اور سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید صاحب دہلویؒ سے بھی اس عاجز کو ذاتی شرفِ نیاز حاصل رہا ہے۔ آخر الذکر مولانا مولانا احمد سعیدؒ کے متعلق تو یہ عاجز یہ عرض کر سکتا ہے کہ وہ اُن کی گود میں کھیلا ہے۔ چونکہ مولانا مرحوم اس عاجز کے والد مرحوم کے بچپن کے دوستوں میں بلکہ ہم مکتب رہے تھے۔ دونوں نے سنہری مسجد دہلی میں ایک ہی استاذ سے قرآن مجید ناظرہ پڑھا تھا۔ بنز دریبہ دہلی کے سامنے ایک گرجا کی دیوار کے ساتھ مولانا مرحوم کے عیسائی پادریوں اور آریہ سماجیوں سے جو مناظرے ہوا کرتے تھے، جن کا ذکر مولانا نعمانی نے جولائی کے شمارے میں کیا ہے۔ والد مرحوم ان میں شریک رہتے تھے۔ چونکہ ان کی دکان بھی فوارہ اور دریبہ (دہلی) کے درمیان واقع تھی۔ والد صاحب مرحوم ان مناظروں کا گھر میں اکثر ذکر کیا کرتے تھے۔ اس موقع پر اس عاجز کو مولانا احمد سعید مرحوم کی ایک بات یاد آگئی، جس کا ذکر غیر مناسب نہ ہوگا۔ قیامِ پاکستان سے قبل غالباً جولائی ۴۵ء میں اس عاجز کی اپنے والد مرحوم کے ساتھ مولانا مرحوم سے آخری ملاقات ہوئی تھی۔ یہ اس خاکسار کی جوانی کا دور تھا۔ ۲۶، ۲۷ سال کی عمر تھی اور بدقسمتی سے اس وقت یہ ناکارہ کلین شیو رہتا تھا۔ اکتوبر ۴۷ء میں خاندان کے ساتھ پاکستان (کراچی) میں منتقلی ہوگئی۔ مارچ ۵۶ء میں دہلی جانے کا اتفاق ہوا تو یہ عاجز مولانا احمد سعید سے شرفِ نیاز حاصل کرنے کے لیے کوچہ چیلاں میں اُن کے مکان پر حاضر ہوا۔ اس وقت منہ پر ڈاڑھی تھی۔ ملاقات کو گیارہ سال گزر چکے تھے۔ غالب گمان یہ تھا کہ مولانا شاید پہچان نہ سکیں گے۔ مکان میں داخل ہوا تو مولانا دالان میں گاؤ تکیہ کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ دس پندرہ ارادت مندوں کا حلقہ موجود تھا۔ اس عاجز نے حسبِ عادت ڈیوڑھی سے صحن میں داخل ہوتے وقت بلند آواز سے "السلام علیکم" کہا اور دالان کی طرف پیش قدمی کی مولانا نے سلام کی آواز پر گردن اٹھا کر اور آنکھوں پر ہاتھ کا چھجا بنا کر اس عاجز کی طرف دیکھا۔ میں دالان کی قریب پہنچ چکا تھا کہ مولانا نے فرمایا:۔ "صاحبزادے! اپنا تعارف نہ کرانا، میں نے تم کو پہچان لیا ہے تم فضل (والد مرحوم کا نام) کے بیٹے ہو، آؤ میرے قریب آجاؤ" یہ عاجز مولانا کے قریب جا کر دوزانو بیٹھ گیا۔ مولانا نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور فرمانے لگے کہ "پہچان تو لیا لیکن یہ یاد نہیں آرہا کہ تم جمیل ہو یا حفیظ ہو۔ (حفیظ الرحمٰن اس عاجز کے بڑے بھائی کا نام ہے جو تقریباً چھ سال اس عاجز سے بڑے ہیں اور ہم

دونوں بھائیوں کی شکل و صورت میں کافی مشابہت ہے) میں نے اپنا نام عرض کیا۔ پھر مولانا نے والد صاحب کے متعلق معلوم کیا اور جب اس عاجز نے ان کے انتقال کی خبر دی تو مولانا کی آنکھیں نم ہوگئیں۔ بڑی دیر تک والد مرحوم کے لیے دُعائے مغفرت اور اس مجلس میں شریک حضرات سے والد مرحوم کے محاسن کا ذکر فرماتے رہے۔ پھر مولانا نے باصرار اس عاجز کو اپنے ساتھ کھانے کی دعوت دی۔ نیز فرمانے لگے کہ: "اس وقت تو گھر میں نانِ جویں ہے۔ کل دوپہر کو میرے ساتھ کھانا کھاؤ تاکہ میں اپنے مرحوم دوست کے بیٹے کی خاطر خواہ تواضع کر سکوں۔"
یہ تھے مولانا احمد سعید دہلوی نور اللہ مرقدہٗ واغفرلہٗ وارحمہ۔

یہ عاجز 'میثاق' کے قارئین کو 'الفرقان' کے وفیات نمبر اور جولائی ۷۷ء کے شمارے کے مطالعہ کی دعوت دیتا ہے۔ یہ پرچے پاکستان میں بھی دستیاب ہو سکتے ہیں۔ پتہ اشتہار میں درج ہے۔ اِن شاء اللہ ان دونوں شماروں کے مطالعہ سے ہماری اُمّت کے بہت سے گلہائے سر سبد کی زندگیوں کے واقعات قارئین کے سامنے آئیں گے اور کیا عجب کہ یہ مطالعہ دل کے لیے مضراب کا کام دے اور قلب میں ایمان کے مستور نغموں میں ارتعاش پیدا ہو جائے اور عمل کا ایک ولولہ بیدار ہو جائے۔ آخر میں اس عاجز کو یہ عرض کرنا ہے کہ وفیات نمبر اور اس کے ضمیمے میں اس عاجز کو بہت سے اکابر علماء و مشائخ کے تذکروں کی کمی محسوس ہوئی ہے

ماہنامہ 'الفرقان' لکھنؤ کی ایک عظیم تاریخی پیشکش

وفیات نمبر **یعنی**

ملّتِ اسلامیہ کی اِسی صدی کی باکمال ہستیوں، اکابر و مشائخ، مشاہیر علماء و فضلاء اور اللہ کے نیک اور صالح بندوں کی وفات پر 'الفرقان' میں ۱۹۳۲ء سے ۱۹۷۲ء تک لکھے جانے والے تعزیتی مضامین اور سوز و اثر میں ڈوبی ہوئی تحریروں کا —— ایک جامع انتخاب جون ۱۹۷۷ء میں شائع ہو گیا ہے۔
ضخامت دو سو صفحات : قیمت پانچ روپے، زر سالانہ ۲۵ روپے
(حفاظت سے طلب کرنے کے لیے دو روپے رجسٹری فیس ارسال کرنا ضروری ہے)
پاکستان میں ترسیل زر کا پتہ
سیکرٹری ادارۂ اصلاح و تبلیغ، آسٹریلین بلڈنگ —— لاہور

منیجر ماہنامہ الفرقان ۳۱- نیا گاؤں مغربی لکھنؤ (انڈیا)

تحفۃ الاعراب

(منظوم)

تالیف:۔ مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؕ

بعد تسبیح خالق اکبر — اور تسلیم فخرِ جن و بشر (صلعم)
پیش کش ہے یہ تحفۃ الاعراب — تاکریں اس کو بلندی از بر
قدما کا تھا راستہ دشوار — بیٹھ جاتا تھا راہرو تھک کر
راہ تاریک اور منزل دور — اور پھر ہر قدم پہ اک ٹھوکر
اب ہے اعراب کی نئی تعریف — اور ترتیبِ فن بطرزِ دگر
فعل، اعراب سے ہوئے آزاد — اور عوامل ہیں سارے شہر بدر
فن میں اب کوئی پیچ و خم نہ رہا — راہ مشکل رہی نہ طولِ سفر

۲۔ تعریفِ اعراب

گرچہ ابواب نحو اور بھی ہیں — لیک اعراب ہے مقدم تر
ہے یہ تغییرِ آخرِ اسمار — اسم کا رتبہ جس سے آئے نظر
کثرتِ مرتبہ ہے خاصۂ اسم — فعل و حرف اس سے ہیں بری یکسر

۳۔ مراتبِ ثلاثۂ اسم

رفع ہے رتبۂ مدارِ سخن — جس پہ ہے گفتگو میں اصل نظر
نصب ہے رتبہ ان زوائد کا — جو کہ بے واسطہ ملیں آکر

جَر ہے ان زائدات کا رتبہ   جو کہ ہوں حرفِ جَر کے دست نگر
ہیں یہی تین اسم کے رتبے   رفع پھر نصب پھر ہے رتبۂ جر
نام اِعراب بھی یہی ہیں تین   تا علامت ہو اصل شے کی خبر

۴۔ صُوَرِ مختلفۂ اِعراب

گرچہ ہیں تین قسم پر اعراب   ہیں وہ چودہ باختلافِ صُوَر
ـٌ وـً ، ـٍ پھر ـَانِ اور ـَیْنِ   ـُوْنَ اور ـِیْنَ دیکھ لو گن کر
سات ہیں سب ثقیل پر یہ خفیف   ہوں گے، آخر کی نون گرا دو اگر
اَلْ سے ہوتے ہیں تین پہلے خفیف   اور اضافت سے بھی سب یکسر
یا عَلَم منصرف با بن مضاف   بعَلَم جیسے عامِرُ بْنُ عُمَرَ

۵۔ مواقعِ اِعرابِ مختلفہ

واحد اور جمعِ کسر میں اعراب   ـٌ وـً ، ـٍ ہے رفع و نصب و جر
ہے مثنیٰ میں ـَانِ صورتِ رفع   ـَیْنِ ہوگی وہ نصب و جر میں مگر
رفع ہے ـُوْنَ نصب و جر ـِیْنَ   از برائے سلیم جمع ذکر
ـٌ ہے رفع سلیم جمع اناث   اور ـٍ اس کا نصب بھی اور جر
رفع اور نصب و جر ہے ـُو ـَا ، ـِی   چند اسموں میں ہوں مضاف اگر
یعنی اَبٌ، اَخٌ وحَمٌ وھَنٌ، ذُو فَمٌ   میم کو فم کی حذف کر دو اگر
رفع ہے غیر منصرف میں ـُ   اور ـَ ہے بحالِ نصب و جر
مثلِ بُشریٰ و یا مضاف بیا   ان پر اعراب کا نہ ہوگا گذر
مثلِ قاضی، ھُدَی میں ہیں اعراب   پر وہ تعلیل سے ہوئے مضمر
مُصْطَفَوْنَ، بَنِیَّ کے بھی مثل   یوں ہی تعلیل کے ہیں زیرِ اثر

۶۔ اقسامِ خمسۂ غیر منصرف

اولاً غیر منصرف ہے عَلَم — جب ہو بیگا نہ جس طرح سَنْجَرُ
یا کہ آخر میں ۃ ہو جوں طَلْحَۃُ — یا مؤنث ہو جس طرح سے سَقَرُ
یا ہو آخر میں ۔ان جوں عُثْمَانُ — یا بوزنِ فُعَل ہو جیسے عُمَرُ
یا کہ مَعْدِ یْکَرَبْ سی ہو ترکیب — یا ہو در اصل فعل جوں شَمَّرَ
ثانیاً وصف جبکہ ہو فَعْلَانُ — اور مؤنث ہو وزن فَعْلیٰ پر
یا ہو اَفْعَلُ کہ اصل میں ہو صفت — مثلاً اَحْمَدُ۔ اَسْوَدُ و اَحْمَرُ
ثالثاً عدل جوں اُخَرُ و جُمَعُ — یا کُتَعَ اور بُتَعَ۔ بُصَعُ و سُحَرُ
اور اُحَادُ ہے یوں ہی تا بہ عُشَارُ — اور مَوْحَدُ ہے یوں ہی تا مَعْشَرُ
رابعاً منتہی الجموع کے وزن — ان کے آخر میں ۃ نہ آئے اگر
جوں قَوَارِیْرُ جمع قَارُوْرَۃ — اور عَسَاکِرُ جماعتِ عَسْکَرُ
خامساً جب زیادہ آخر میں — الف و ہمزہ دونوں آئیں نظر
منصرف ہوں گے سب جب ہوں مضاف — یا ہو اَلْ ان پہ یا ہو وزن اقصر

۷۔ مُعْرَبَاتِ عَشَرَہ اَصْلِیَّہ مرفوعان

اسم مرفوع دو ہیں بے کم و بیش — مسند ایک دوسرا ہے خبر
ہے مثال انکی حَیْدَرٌ اَسَدٌ — جس کے معنی ہیں شیر ہے حیدر
یا کہ اَلْغُصْنُ یَانِعٌ ثَمَرُہٗ — یعنی یہ شاخ ہے رسیدہ ثمر
یا کہ اَلْخَادِمَانِ مُخْتَصِمَانِ — یعنی دونوں جھگڑتے ہیں نوکر
یا کہ زَیْدُوْنَ حَاضِرُوْنَ هُنَا — یعنی حاضر ہیں زید سب یاں پر

۸۔ مَنْصُوْبَاتِ سِتَّہ

چھ ہیں منصوب حال[۱] اور مفعول[۲] — ظرف[۳] و تمیز[۴] و علت[۵] و مصدر[۶]

جیسے اَلْمَرْءُ سَائِرٌ عَجِلًا — ہے شتاباں یہ مرد راہ سپر
یا کہ اَلشَّیْخُ قَاطِعٌ شَجَرًا — یعنی بوڑھا یہ کاٹتا ہے شجر
یا کہ زَیْدٌ مُسَبِّحٌ سَحَرًا — زید تسبیح خواں ہے وقت سحر
یا کہ عِشْرُوْنَ خَادِمًا عِنْدِیْ — یعنی ہیں بیس میرے یاں نوکر
یا کہ اَلطِّفْلُ مُطْرِقٌ خَجِلًا — شرم سے سرفگندہ ہے یہ پسر
یا کہ ذَا الْمَرْءُ ذَاهِبٌ سِرًّا — جانے والا وہ مرد ہے چھپ کر

۹۔ مجروران

دو ہیں مجرور اک مضاف الیہ — دوسرا حرف جر لگے جس پر
فِیْ، عَلٰی، مِنْ، اِلٰی، لِ، عَنْ، حَتّٰی — وَ، بِ، تَ، مُنْذُ، کَ ہیں حرف جر
جیسے بَیْتُ الرَّشِیْدِ فِیْ جَبَلٍ — یا عَلَیْهِ مِنَ السَّمَاءِ مَطَرٌ
یا کہ مِنِّیْ اِلَی الْحَبِیْبِ سَلَامٌ — یا کہ مَا لِیْ عَنِ الرَّقِیْبِ مَفَرٌّ
یا کہ حَتَّی الْعِشَاءِ لِیْ وَاللّٰهِ — شُغُلٌ بِالْاُمُوْرِ مُنْذُ سَحَرٍ
یا کہ بِاللّٰهِ ثُمَّ تَاللّٰهِ — مَا بِذَا الْمِصْرِ کَالسَّعِیْدِ بَشَرٌ

۱۰۔ توابع خمسہ

پھر توابع ہے رتبہ متبوع — ایک پیرو ہے دوسرا رہبر
ہے وہ تاکید و وصف و عطف و بدل — اور بیان جو ہے ذکر بالاشہر
جیسے اَلْعِلْمُ نَافِعٌ نَافِعٌ — نیز اَلْقَوْمُ اَجْمَعُوْنَ مَضَوْا
یا اَخُوْ زَیْدِنِ الصَّغِیْرُ هُنَا — یا کہ فِی الْبَیْتِ عَامِرٌ وَعُمَرُ
یا کہ صَحْبِی الثِّقَاتُ اَکْثَرُهُمْ — یا کہ عِنْدِیْ اَبُو الشَّمَیْلِ زُفَرُ

۱۱۔ مُعْرَبَاتِ خَمْسَہ مَاوَّلَہ

معربات ماوّلہ دراصل — پانچ ہیں جن میں نصب ہے اکثر

مسند بعد مشبہات الفعل — فعل کون اور ما ولا کی خبر
پھر منادیٰ ہے اور مستثنیٰ — نکرہ مسند پہ لا ہو اگر
پھر سماعی ہیں چند منصوبات — جو حقیقت میں حذف کے ہیں صور

۱۲۔ مسند بعد مشبہات الفعل

إنَّ - أنَّ - كأنَّ - لٰكنَّ — یا کہ لیتَ - لعلَّ آئیں اگر
مسند پر تو ہوگا وہ منصوب — پر نہ ہوگا خبر پہ ان کا اثر
جیسے إنَّ المسيحَ إنسانٌ — یعنی مسیح ہے کہ ہے مسیح بشر
یا لعلَّ الأخوين صيّادانِ — ہیں شکاری یہ دونوں بھائی مگر
یا کہ لیتَ البنينَ مصطلحونَ — کاشکے ہوتے صلح جو یہ پسر

۱۳۔ خبر افعال کون و ما ولا

كانَ اور صارَ - أصبحَ، أضحىٰ — ظلَّ، أمسىٰ، وباتَ نیز دگر
مثل ما انفكَّ، ما برحَ، ما زالَ — ما فتئ، ليسَ، ما و لا کی خبر
ہوگی منصوب کیونکہ یہ اخبار — ہیں مفاعیل پیش اہل نظر
مثلاً كانَ خالدٌ فهِمًا — یا کہ صارَ السّعيدُ مثلَ عُمَرَ

۱۴۔ منادیٰ و متعجب منہ و مستغاث و مندوب

ہو منادیٰ مضاف یا نکرہ — نصب دو جیسے یا أبا جعفرَ
ورنہ مبنی ہے بر علامت رفع — جیسے یا زیدُ - أيّها العسكرُ
پر علم منصف بابن مضاف — بعلم یا مضاف بعد الکر
یعنی یا سعدُ سعدَ الاوس کے مثل — اور یونہی یا مساورَ بنَ جحرَ
مثل یا زیدُ گرچہ ہیں مبنی — لیک ان میں روا ہے نیز زبر
لَ عجب یا کہ استغاثہ کی — ہو منادیٰ پہ تو ضرور ہے جر

جیسے یَا لَلرَّشِیْدِ یَا لِلْمَاءِ — یَا لَاَصْحَابِنَا وَیَا لَلْبَشَرِ
یَا غُلَامِیْ کے مثل میں ہے روا — یَا غُلَامَا وَیَا غُلَامِ دِگر
وَاسَعِیْدُ وَوَاسَعِیْدَا نیز — وَاسَعِیْدَاہْ ندبہ کے ہیں صور
ہاء ندبہ کو لاؤ آخر میں — کیونکہ ہے وقف ناگزیر اس پر
جیسے وَامُطْعِمَ الْمَسَاکِیْنَاہ — وَاُعَمَّتَاہ اُمَّ زُفَرَ

۱۵۔ توابعِ مُنادیٰ

جب منادیٰ ہو موردِ اعراب — ہوگا تابع بھی اس کی صورت پر
پر منادیٰ ہو جب کہ خود مبنی — اس کے تابع کے مختلف ہیں صور
عطف بے ال بدل ہو یا ہو مضاف — یہ اضافت ہو معنویہ مگر
مستقل کا سا ان سے ہوگا سلوک — جیسے یَا زَیْدُ بِشْرُ وَابْنَ عُمَرَ
ماسوا میں ہے نصب و رفع روا — جیسے یَا خَالِدُ الشَّدِیْدُ الْکَرِّ

۱۶۔ مستثنیٰ

از قبیلِ بدل ہے مستثنیٰ — چند شکلیں ہیں خارج اس سے مگر
قولِ مثبت سے گر ہو مستثنیٰ — یا مقدّم یا ہو غیر اگر
نصب واجب ہے لیک مستثنیٰ — منہ کا ذکر آئے اور اس پر
قول منفی ہو تو روا ہے نصب — بدلیت اگرچہ ہے بہتر
جیسے مَا فِیْ جِوَارِنَا اِلَّا — حَامِدًا وَّالسَّعِیْدُ وَابْنُ عُمَرَ
یا کہ اَلْجُنْدُ ذَاهِبٌ اِلَّا — خَالِدًا اَوْ اُمَیْرَیْنِ مِنْ عَسْکَرٍ
یا کہ مَا فِیْ رِجَالِکُمْ اِلَّا — جَنْدَلٌ ذُوْ شُجَاعَةٍ وَغَیْرٍ
یا کہ لَا عَیْبَ فِیْ اَخِیْ اِلَّا — طَلَبًا لِلْعُلَا وَطُوْلُ سَهَرٍ
یا کہ لَا عَیْبَ فِیْهِمَا اِلَّا — نَوْمُهُمْ فِی الشِّتَاءِ بَعْدَ سَحَرٍ

غیر ہوگا بحالِ مستثنیٰ جیسے هُمْ ذَاهِبُوْنَ غَيْرَ عُمَرَ

۱۷۔ مستند بعد لاءِ نفی عموم

مستند بعد لاءِ نفی عموم نکرہ متصل ہو مفرد اگر
ہوگا مبنی وہ بر علامتِ نصب برمثال ثَمَانِيَةَ عَشَرَ
مثلاً لَا غُلَامَ لِلْهَادِيْ یا کہ لَا جَارِيَاتِ لِابْنِ عُمَرَ
یا کہ لَا شَاهِدَيْنِ لِلدَّعْوٰى یا کہ لَا نَاصِرِيْنَ لِلْمُضْطَرِّ
غیر مفرد کو نصب دو لیکن منفصل یا کہ معرفہ ہو اگر
رفع دو اور رفع میں ہے ضرور دوسرا مستند بلائے دگر
جیسے لَا نَاصِرَ اَلْآنَ عِنْدِیْ یا کہ لَا طَالِبًا هُدًى مُفْتَرٌّ
یا کہ لَا لِیْ اَبٌ وَّلَا اُمٌّ یا کہ لَا هَاشِمٌ وَّلَا جَعْفَرَ

۱۸۔ توابع مستند مبنی بعد لا

عطف مبنی پہ ہو بہ لا تو روا ہے بنا اور رفع دونوں پر
جیسے لَا نَاصِرٌ وَّلَا اَخَ لِیْ یا کہ لَا تُرْسَ لِیْ وَلَا مِغْفَرٌ
ہے بنا، رفع و نصب سب جائز متصل وصف مفرد ہو اگر
جیسے لَا مَاءَ عَذْبَ فِیْ بَحْرٍ یا کہ لَا مَاءَ بَارِدًا فِی الْبَرِّ
منفصل وصف و عطف لا کے بعد نصب یا رفع آئے گا ان پر
جیسے لَا مَرْءَ فِيْهِمْ هَرِمًا یا کہ لَا زَوْجَ وَابْنَةٌ لِزُفَرَ

۱۹۔ نصب بر حذف

نصب بر حذف دس ہیں امر و دعا وصف و تنبیہ و حصر بالمصدر
عطف صحبۃ اجابۃ، استنکار شرط و توضیح جملہائے خبر

مثلُ صَبْرًا عَلَی الاَذٰی صَبْرًا — یا کہ سُقْیًا لِذٰلِکَ المَعْشَرِ
یا کہ ھُمْ رُفْقَتِیْ اُولِی الاَبْصَارِ — والطریقَ الطَّرِیقَ یا اَعْوَرُ
اِنَّمَا ھُوَ لَہٗ سَیِّئًا سیر — یا کہ مَا اَنْتَ وَ اَبَا جَعْفَرٍ
یا کہ لَبَّیْکَ رَبِّ وَسَعْدَیْکَ — یا اَلْھَوٰی وَ اَنْتَ نِضْوُ کَبِیْرٍ
یا لِکُلٍّ عَلَی السَّوَاءِ نَصِیْبٌ — فِیْہِ اِنْ ذَا غِنًی وَّاِنْ مُعْتَرٌّ
یا کہ اَللّٰہُ رَبُّنَا الرَّحْمٰنُ — دَعْوَۃَ الْحَقِّ مِنْ لِسَانٍ فَطِرٍ
اور بھی چند ہیں مصادر خاص — مثل سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَکْبَرِ

یا الٰہی یہ تحفہ ہو مقبول
ہے دُعائے فراہی مضطر

★

مولانا حمید الدین فراہیؒ کی گرانمایہ تصانیف

بشمول

(۱) **مجموعۂ تفاسیر فراہی** مقدمہ نظام القرآن

۲۲ × ۲۹/۸ سائز کے ۵۳۶ صفحات، آفسٹ پیپر، اعلیٰ طباعت
اور دیدہ زیب جلد کے ساتھ: ہدیہ صرف -/۲۴

(۲) ——— اقسام القرآن ——— ہدیہ ۳/۷۵

(۳) ——— ذبیح کون ہے؟ ——— ہدیہ ۴/۵۰

(نوٹ: یہ تمام تصانیف عربی میں تھیں، اردو ترجمہ مولانا امین احسن اصلاحی نے کیا ہے!)

تینوں بیک وقت طلب فرمانے پر محصولڈاک بذمہ ادارہ!

منگوانے کا پتہ: مرکزی مکتبہ تنظیم اسلامی، ۳۶ کے ماڈل ٹاؤن، لاہور

ڈاکٹر اسرار احمد

کے جماعت اسلامی سے تنظیم اسلامی تک

کے ذہنی سفر کی تفاصیل سے آگاہ ہونے کے لئے حسب ذیل مطبوعات کا مطالعہ لازمی ہے ۔

۱ ـ تحریک جماعت اسلامی ـ ایک تحقیقی مطالعہ	قیمت	۶/- روپے
۲ ـ اسلام کی نشاۃ ثانیہ ـ کرنے کا اصل کام	,,	۱/- ,,
۳ ـ دستور مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور	,,	۰/۵۰ ,,
۴ ـ ماہ نامہ میثاق بابت ستمبر تا دسمبر ۶۷	,,	۴/۵۰ ,,
۵ ـ ماہ نامہ میثاق بابت اکتوبر تا دسمبر ۶۸	,,	۳/- ,,
۶ ـ دستور تنظیم اسلامی	,,	۱/- ,,

مزید برآں

۱۹۵۶-۵۷ء میں جماعت اسلامی میں پالیسی کے بارے میں اختلاف نے جو ہنگامہ خیز صورت اختیار کی تھی اور جس کے نتیجے میں بہت سے مخلص رہنما اور سرگرم کارکن جماعت سے علیحدہ ہونے پر مجبور ہو گئے تھے ۔

اس کی تفصیلات ڈاکٹر اسرار احمد نے

"نقض غزل"

کے عنوان سے تحریر کی تھیں جو ماہنامہ میثاق، کے ۱۹۶۶-۶۷ء کے بعض شماروں میں شائع ہوئیں ۔ جو ایک محدود تعداد میں موجود ہیں اور فی سیٹ ۷/- روپے میں حاصل کئے جا سکتے ہیں ۔

مینجر **مرکزی مکتبہ تنظیم اسلامی**

۳۶ ـ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور

Regd. L. No. 7360

Monthly MEESAQ Lahore

Vol. 26 | AUGUST 1977 | No. 2

تنظیم اسلامی

تجدید ایمان — توبہ — تجدید عہد

اطلاع برائے رفقاء

انشاءاللہ العزیز

تنظیم اسلامی کا دوسرا سالانہ تربیتی و تنظیمی اجتماع

از ۵ تا ۱۱ - اگست ۷۷ء

بمقام : ۳۶ - کے ، ماڈل ٹاؤن ، لاہور منعقد ہوگا ۔

جس میں جملہ رفقاء کی شرکت لازمی ہے

اجتماع کی کاروائی جمعہ ۵- اگست کو نماز عصر سے شروع ہوگی اور جمعرات ۱۱ اگست کو قبل از نماز ظہر ختم ہو جائے گی ۔ لاہور سے باہر سے آنے والے رفقاء ۵- اگست کی صبح تک پہنچنے کی کوشش کریں تا کہ نماز جمعہ جامع مسجد خضراء سمن آباد میں ادا کر سکیں جہاں قبل از نماز جمعہ سوا بارہ بجے سے ' پونے دو بجے دوپہر تک تنظیم اسلامی کے داعی عمومی ڈاکٹر اسرار احمد درس قرآن دیتے ہیں !

المعلن : (شیخ) جمیل الرحمان ، ناظم عمومی ، تنظیم اسلامی

۳۶-کے، ماڈل ٹاؤن ، لاہور (فون : ۳۵۲۶۱۱)